
نغمۂ حسرت
شفقت کاظمی

جناب شفقت کاظمی کی غزلوں میں
سوز و گداز ہے، دل سے نکلی ہوئی کیفیت ہے
حسن کا احساس ہے، عشق کی عظمت کی جھلک
ہے - ان کی غزلوں میں لطیف چاندنی، دھیمی
لے، مدھم آواز، نازک اشارے کا لطف ہے -

(پروفیسر) آل احمد سرور

ایک صحرائی علاقے اور غیر ادبی خطے
کے رہنے والے کی زبان میں یہ فصاحت اور کلام
میں یہ رنگینی و لطافت دیکھ کر شفقت صاحب
کو لالۂ صحرائی کہنا اُن کے کلام کی بہترین
داد ہے جو اگرچہ مختصر ہے مگر پھر بھی جامع
ہے - خلاصۂ کلام یہ کہ نغمہ حسرت کو
ہر لحاظ سے قابل قدر چیز کہنا چاہئے -

خدا حسن قبول روزی کرے

(ابوالفصاحت) جوش ملسیانی

-/۳

نغمۂ حسرت

سیّد شفقت کاظمی
ڈیرہ غازیخاں

سال اشاعت ۱۹۵۹ء

تعداد ۱۰۰۰

ناشر

محمد افضل صاحب بدر مالک علمی کتب خانہ مظفر گڑھ

لاہور میں ملنے کا پتہ

سٹوڈنٹس اون بکڈپو اردو بازار لاہور ۲

تہدیہ

امام المتغزلین جناب مولانا حسرت موہانی مرحوم

کی

بارگاہ میں

خاکپائے حسرت موہانی مرحوم

فقیر شفقت کاظمی

ڈیرہ غازیخاں

شکریہ

حسنکدہ کے بعد راقم الحروف کے دوسرے دیوان نغمۂ حسرت کی طباعت و اشاعت بھی تمام تر مکرمی و محترمی مولانا محمد افضل صاحب بدر مالک علمی کتب خانہ مظفر گڑھ (پاکستان) کے ذوقِ علم دوستی و ادب نوازی کی مرہونِ منت ہے —— جس کے لئے راقم الحروف بصمیمِ قلب اُن کا شکر گزار ہے

۱۲ مئی ۵۹ء

فقیر شفقت کاظمی
ڈیرہ غازیخاں

اشارات

جناب شفقت کاظمی مولانا حسرت کے شاگرد ہیں مولانا کی غزلوں کی تازگی کیفیت اور تاثیر ان کے کلام میں بھی جھلکتی ہے۔ یہ معمولی بات نہیں۔

غزل بڑی کافر صنف سخن ہے۔ اس میں نہ علمیت کام آتی ہے نہ صنعت گری۔ یہاں طبع رواں کی ضرورت ہے۔ فلسفہ ہو یا تصوف اخلاقی مضامین ہوں یا انقلابی افکار جب تک یہ غزل کے سانچے میں نہ ڈھلیں غزل کی بزم میں بار نہیں پا سکتے۔ دوسری اصناف سخن میں پیغمبرے سے کام چل جاتا ہے مگر غزل میں وار بھرپور نہیں تو کچھ نہیں

جناب شفقت کاظمی کی غزلوں میں سوز و گداز ہے دل سے نکلی ہوئی کیفیت ہے۔ حسن کا احساس ہے۔ عشق کی عظمت کی جھلک ہے ان کی غزلوں میں لطیف چاندنی۔ دھیمی لے۔ مدھم آواز۔ نازک اشارے کا لطف ہے۔

چھوٹی بحروں میں انھوں نے بڑے پتے کی باتیں کہی ہیں اور عبارات اشارات۔ ادا تینوں کا حق ادا کر دیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ ہمارے شعری ادب میں ایک خوشگوار اضافہ سمجھا جائیگا۔

علی گڑھ
۹ر جون ۵۸ء

(پروفیسر) آل احمد سرور
سکریٹری انجمن ترقی اردو علی گڑھ

نغمۂ حسرت

یہ مولانا حسرت موہانی مرحوم کے مایۂ ناز شاگرد سید شفقت کاظمی کے مجموعۂ کلام کا نام ہے۔ غزل کے سوا نظم کی کوئی اور صنف اِس میں نہیں ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحب نے وہی چیز اپنے لئے منتخب کی ہے جو اردو نظم میں جتنی دشوار ہے اتنی مقبول و مرغوب بھی ہے یہ خصوصیت بھی قابلِ ذکر ہے کہ اُنہوں نے غزل میں کہیں شفقت اور کہیں کاظمی تخلص استعمال کیا ہے۔

ڈیرہ غازی خاں جیسے غیر ادبی خطہ میں جس کا بیشتر حصہ صحرائی اور ریگستانی ہے اور جس خطے کی زبان پر بھی محلِ وقوع کے لحاظ سے بلوچی زبان کا اثر ماننا پڑتا ہے۔ اردو کے ایسے خوش بیان اور تر زبان شاعر کا وجود ادبی نادرات میں سے ہے۔ ہر غزل کو پڑھ کر اُن کی پختہ گوئی ان کے ذوقِ صحیح اور حُسنِ طبیعت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ بازاری لب و لہجہ اور بازاری زبان یا عُریانی مضمون کا کہیں نشان تک نہیں ملتا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ سید صاحب حسن و عشق دونوں کو بڑی پاکیزہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ دونوں کے مقام کی رفعت جاننے کی طرح جانتے ہیں۔ جب اُن کے ذوقِ سلیم کا بنیادی پہلو یہ ہو تو پھر کسی شعر میں سوقیانہ رنگ پیدا ہونے کا احتمال ہی نہیں

ہو سکتا۔

استاد کی طبیعت کا سوز و گداز اور تغزل بھی ہر غزل میں نمایاں نظر آتا ہے برمحل اور برجستہ الفاظ کے رکھ رکھاؤ میں بھی اور صحتِ زبان کے لحاظ سے بھی اُنہیں ایک محتاط شاعر کہا جا سکتا ہے۔ وہ فنی اصول و قواعد کی پابندی میں زمانۂ حال کی گمراہ شاعری اور بے راہ روی سے بالطبع نفور پائے جاتے ہیں۔ اس نکتہ کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ غزل کی زبان کیا ہونی چاہیئے چونکہ دردِ دل اور سوز و گداز اُن کی طبیعت اور اُن کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس لئے تاثیر کلام پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

کیا کیا تھے محوِ لذتِ جورِ حیات ہم
تیری طرف بھی کر نہ سکے التفات ہم

یادِ دل نے اُسکے لاکھ فسانے بنا دیئے
تجھ سے جو کہہ گئے تھے کبھی ایک بات ہم

نہ سہی تجھ سے رہ و رسمِ تمنا باقی
دل میں پھر بھی ہے تری دید کا لپکا باقی

ایک اُمید تھی لے دیکے سو وہ بھی چھوٹی
میری تسکینِ محبت کو رہا کیا باقی

یہ تیری یاد کا عالم یہ کنجِ تنہائی
گذر نہ جائیں کہیں جی سے تیرے سودائی

کشاکشِ غمِ دوراں سے بے نیاز رہا
وہ دل کہ جس کو تری چارہ سازگار آئی

ترے دیار کی راہیں نہ مل سکیں شاید
کہ پاؤں توڑ کے بیٹھے ہیں تیرے سودائی

بات اربابِ جفا کی جو کہیں چل نکلے
غیر ممکن ہے کہ ہم ذکر تمہارا نہ کریں

دیکھئے شیوۂ بیداد کی تذلیل نہ ہو
آپ دلجوئی اربابِ تمنا نہ کریں

آخر اس رنجشِ پیہم کی بھی حد ہے کوئی
مجھ کو اتنا وہ پشیمانِ تمنا نہ کریں

اِن اشعار میں حسنِ سخن کی ہر ایک ادا موجود ہے۔ اہلِ نظر خود جانچیں اور پرکھیں۔ یہ رنگ اُن کی ہر غزل پہ غالب ہے۔ چھوٹی چھوٹی بحروں اور مختصر زمینوں میں وہ آبِ حیات بہاتے ہیں۔ یہ کام بہت مشکل ہے۔ مختصر زمینوں میں ایک وسیع خیال کا واضح صورت میں بیان کر جانا آسان بات نہیں زمین کی تنگ دامانی شاعر کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ایسے برمحل الفاظ کی تلاش

کرے کہ کسی ابہام یا اہمال کا شائبہ نہ ہو۔ ایسے قرینے کنایات و اشارات ڈھونڈھے جو کسی مزید صراحت کے محتاج نہ ہوں۔ پھر یہ بھی لازم ہے۔ کہ شعر بالکل ہموار اور ہر طرح ڈھلا ہوا ہو۔ اس میں تصنع اور آورد کا نام تک نہ ہو۔ شفقت صاحب یہ اہم نکات بخوبی سمجھتے ہیں۔ اور ہمیشہ اُن کو در خورِ اعتنا خیال کرتے ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ہمیں اقرارِ جُرمِ عاشقی ہے — جفائے یار کیوں ڈھونڈھے بہانے
مٹا کر مجھ کو اتنا سمجھے گا — مری بربادیوں کا غم نہ کھانا
تری حسرت نہ چھوٹی ہے نہ چھوٹے — مرے ترکِ محبت پر نہ جانا

ہمیں رونا ہے اپنی بے کسی کا — تری بے مہریوں کا غم نہیں ہے
وفا اپنی بہت کچھ ہے مگر کیا — حریفِ رنجشِ پیہم نہیں ہے
تجھے دیکھے ہوئے اک عمر بیتی — مگر لطفِ تماشا کم نہیں ہے

زندگی موردِ الزام نہیں — میری تقدیر میں آرام نہیں
میری تسکینِ تمنا کے لئے — اُس نظر میں کوئی پیغام نہیں
نامرادِ دل یہ تری حسرتِ دید — اور کیا ہے اگر الزام نہیں

آخری شعر کی کیفیتِ وجدانی ہے۔ اس کی معنویت بھی بے پناہ ہے
اس زمین کے پہلے شعر کا مصرعۂ ثانی اگر یوں کہا جاتا ع
میری قسمت ہی میں آرام نہیں

تو شاید زیادہ زور دار ہو جاتا۔ اِن اشعار میں اسلوب بیان کی دلکشی۔ دلآویزی اور دل نشینی ہر جگہ قابلِ ستائش ہے۔ حسن بیان اور حسن تبدش کا انہیں اتنا خیال اتنی مشق ہے کہ ہر شعر زیادہ سے زیادہ ہموار ہے مفہوم کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے میں بھی وہ اتنے محتاط ہیں کہ حشو و زوائد سے آخری حد تک بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک صحرائی علاقے اور غیر ادبی خطے کے رہنے والے کی زبان میں یہ فصاحت اور کلام میں یہ رنگینی و لطافت دیکھ کر شفقت صاحب کو لالۂ صحرائی کہنا ان کے کلام کی بہترین داد ہے جو اگرچہ مختصر ہے مگر پھر بھی جامع ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ نغمۂ حسرت کو ہر لحاظ سے قابلِ قدر چیز کہنا چاہیئے۔ خدا حسن قبول روزی کرے۔

۱۶ر جولائی ۵۸ء

دار الفصاحت) جوش ملسیانی
نکودر ضلع جالندھر

پیش لفظ

ہماری شاعری اور خاص طور پر غزل کی تاریخ میں چند ہی نام ایسے ملتے ہیں۔ جن کو شاعر کے بجائے دبستان کہنے کو جی چاہتا ہے اور ان میں ایک نام مولانا حسرت موہانی کا ہے۔ اگر دورِ حاضر میں سے کسی غزل گو کو میر۔ غالب اور مومن کی صف میں بٹھایا جا سکتا ہے تو وہ حسرت ہی ہیں اور جس طرح میر۔ غالب اور مومن نے اردو غزل کو نئی روایات سے آشنا کرایا اور اگلی نسلوں کے لئے خضرِ راہ بنے اُسی طرح حسرت نے بھی نہ صرف یہ کہ اُس وقت غزل کو سہارا دیا جب اُس پر ہر طرف سے یورش ہو رہی تھی اور نظم جدید کے مقابلے میں اُس کی شمع جھلملانے لگی تھی۔ بلکہ غزل کو وہ شیرینی۔ سلاست۔ سوز و گداز اور اثر آفرینی بخشی جس نے پھر اصنافِ سخن میں اس کی وسعت، ہمہ گیری، گہرائی اور گیرائی کو دوبارہ مسلم اور مستحکم کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حسرت کو عصرِ حاضر میں امام المتغزلین کہا جاتا ہے اور ان کے رنگ کو اساتذہ قدیم کی فنکارانہ مشاقی و پختگی اور عصرِ جدید کی تازگی کا کیف آور مجموعہ سمجھا گیا ہے۔

شفقت کاظمی صاحب مولانا حسرت موہانی کے شاگرد اور ان کے اندازِ سخن کے پیرو ہیں یہی بات ان کے مذاقِ سلیم۔ سخن فہمی اور سخن سنجی کی ایک

دلیل بن سکتی تھی۔ لیکن شاعر کا کلام اس کی سب سے بڑی دلیل ہوتا ہے یہ شخصی وجاہت ذاتی اثر و اقتدار، عصبیت، بیجا طرف داری کسی کا بھی شکار نہیں ہوتا۔ اور اگر اس میں زندہ رہنے اور نئی روایات کو جنم دینے کی صلاحیت ہوتی ہے تو وہ ضرور زندہ رہتا اور ادب میں نقش دوام بن جاتا ہے۔ فخفت صاحب کا یہ مجموعہ کلام اُردو غزل کی اسی زندہ و توانا روایت کی ایک کڑی ہے۔

غزل کہنا شاید سب سے آسان اور اچھی غزل کہنا شاید بڑا کٹھن مرحلہ ہے جو شخص طبع موزوں رکھتا ہو۔ چند قافیئے تلاش کرے اور منتشر مضامین کو ان قافیوں کے محور پر گردش دے کر چند کلمے موزوں کرے۔ وہ بھی اپنے اس بے ربط و بے تہہ کلام کو غزل کا نام دے سکتا ہے۔ ایسی غزلوں سے ہمارے شعرائے قدیم و جدید کے دواوین بھرے پڑے ہیں۔ جنہیں پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور پڑھتے تو جی متلانے لگتا ہے۔ سینکڑوں شعر پڑھ ڈالئے ایک شعر کیا ایک مصرعہ بھی ایسا نہیں ملتا جو دل میں اتر جائے اور جسے بار بار پڑھنے اور سر دھننے کو جی چاہے۔ ایسا کلام قافیہ پیمائی ہے شاعری نہیں۔ ردیف اور قافیے کے تانے بانے سے غزل نہیں بنتی اس کے لئے شدتِ احساس اور اثر آفرینی درکار ہے۔ نغمہ حسرت میں ایسے تیز نشتر اکثر ملتے ہیں۔

حسرت کے نغمے کی لے میں جو چیز سب سے زیادہ متوجہ کرتی ہے وہ ایک طرح کی سادگی و پرکاری ہے۔ شاعری اس وقت الفاظ کے پیچ و خم

میں الجھتی ہے۔ جب کہنے کیلئے شاعر کے پاس موضوعِ سخن نہیں ہوتا۔ ممکن ہے اور اصنافِ سخن میں یہ دھوکا اور طلسم کارگر ثابت ہو سکے لیکن غزل اِس کی متحمل نہیں ہو سکتی یہاں بات اور بات کہنے کا انداز دونوں چیزیں اہم ہوتی ہیں اور غزل اپنے خاص موضوعات اور خاص اسلوب دونوں کے مجموعے سے ہی روپ پاتی ہے۔ نغمۂ حسرت کے اوراق کھولتے ہی ایسی غزلوں پہ نظر پڑتی ہے۔

لذتِ غم سے آشنا نہ ہوا جو تری راہ میں فنا نہ ہوا
ہر مرض کا علاج تھا جو وہ نام کیوں مرے درد کی دوا نہ ہوا
مایۂ جاں ہے اُن کی یاد ابھی جن سے چھوٹے ہوئے زمانہ ہوا
عمر بیم و رجا میں بیت گئی میری قسمت کا فیصلہ نہ ہوا
اُن سے چھٹ کر بھی ان کی چاہ رہی جذبۂ عاشقی فنا نہ ہوا
میرے جوشِ وفا کی خیر نہ تھی وہ تو کہیے کہ تو خفا نہ ہوا

آہ وہ حرفِ آرزو شفقت
جو لبِ شوق سے ادا نہ ہوا

اِن اشعار کی سے غزل کی لے ہے پرسوز و پرکیف اِن کا انداز غزل کا انداز ہے سادہ و مؤثر۔ اِن کا مضمون غزل کا مضمون ہے جس میں جذبات کی سادگی کے باوجود ایک شدت بھی ہے اور ٹھہراؤ بھی۔ اس میں ہیجان نہیں پاکیزگی ہے۔ افسردگی ہے لیکن درماندگی نہیں اور یہی حسرت کی غزل کا خاصہ ہے۔ جسے شفقت کاظمی صاحب نے اختیار کیا ہے۔

مولانا حسرت نے اپنی شاعری میں عاشقانہ اور فاسقانہ رنگ خود الگ کر کے دکھایا ہے اور کہیں کہیں ان کی شوخی اس معاملہ بندی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جس نے جرأت مومن اور داغ کو بدنام شاعروں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے لیکن بحیثیت مجموعی حسرت کے عاشقانہ کلام کو اس جذبہ کی پاکیزگی نے ہی آب و رنگ بخشا ہے۔ شفقت صاحب کے اس مجموعے میں اس انداز کے بہت سے اشعار مل جاتے ہیں۔

بہت دشوار ہے اس کا بھلانا　　　تری صحبت میں گذرا جو زمانہ

تری حسرت نہ چھوٹی ہے نہ چھوٹے　　　مرے ترکِ محبت پر نہ جانا

وہ ہر کلی سے نمایاں ہوئے تو کیا ہوگا　　　بھری بہار کا عنواں ہوئے تو کیا ہوگا
ابھی تو ان کو ندامت ہے شکوۂ غم پر　　　کبھی ہم آپ پشیماں ہوئے تو کیا ہوگا
بجا کہ ان سے نہ رکھیں گے کوئی ربط مگر　　　وہ آپ سلسلہ جنباں ہوئے تو کیا ہوگا

گو اُن سے ملے ہیں بیشتر ہم　　　کچھ دل کی نہ کہہ سکے مگر ہم

اُڑا لاتی ہے اکثر نکہتِ گیسوئے یار اب بھی
مشامِ جاں ہے ممنونِ ہوائے نو بہار اب بھی

نا آشنائے منزلِ الفت تھے ہم مگر　　اے یادِ یار تیرے سہارے چلے گئے

لے کے آئی پیامِ شوق بھی ساتھ　　ان کی جانب سے جو ہوا آئی

مجھ سے جو نظر کبھی تھی مخصوص　　فریاد کہ عام ہو گئی ہے

یہ چند اشعار میں نے یونہی جستہ جستہ اس مجموعے سے آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ پڑھنے والے ہر غزل میں ایسے اشعار جابجا پائینگے۔ جو صرف اندازِ بیان ہی نہیں اپنے احساس اور جذبے سے بھی دامن کھینچتے ہیں۔

غزل کے بارے میں یہ غلط فہمی بڑی عام ہے کہ اس میں غمِ جاناں کے سوا اور کیا ملتا ہے اول تو غمِ جاناں کی لذت سے شعر میں جو کیف پیدا ہوتا ہے اور یہ غم جیسے جیسے روپ دکھاتا ہے۔ اس کی مثالیں میر سے لے کر حسرت۔ فانی۔ اصغر اور جگر تک ہمارے اکابر غزل گو شعراء کے یہاں بکثرت ملتی ہیں بلکہ بقول اصغر یہاں جو غم بھی ہوتا ہے۔ غمِ جاناں بن کر آلامِ روزگار کو آسان بنا دیتا ہے۔ اس سے قطع نظر غمِ دوراں غمِ جاناں کے پردے میں ایمائیت کا لباس پہن کر جس طرح ادا ہوتا ہے۔ وہ بھی غزل کا ایک اہم عنصر ہے۔ آج کی غزل میں ہمارے دور کے سیاسی شعور عصری مسائل اور خارجی معاملات و واقعات کے عناصر سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ہاں غزل میں ان کا بیان عام بیانیہ انداز سے مختلف ہوتا ہے ایمائیت

اشاریت اور علائم پسندی کے پردوں کو ہٹا کر یہ اشعار دیکھئے۔

عمر ہم دردِ جاں میں بیت گئی، میری قسمت کا فیصلہ نہ ہوا

ہمیں اقرارِ جرمِ عاشقی ہے جفائے یار کیوں ڈھونڈھے بہانہ

لالہ و گل پہ اُداسی ہے وہی اِن بہاروں کا اثر دیکھ لیا

خیالِ گردشِ دوراں بھی شاق ہے جن کو
شکایتِ گردشِ دوراں ہوئے تو کیا ہوگا

بہار آئی ہے سامانِ رنگ و بو لے کر
چمن میں پھول نہ پھر بھی کھلے تو کیا ہوگا

بجا ہیں تیری محبت کے سلسلے اے دوست
نہ آئے راس جو یہ سلسلے تو کیا ہوگا

بادہ اپنا ہے اب نہ جام اپنا تم کو اے میکشو سلام اپنا

اک دشمنِ جاں کو دوست جانا اللہ تھے کتنے بے خبر ہم

اک دھن ہے کہ ساتھ لیے چلی ہے   معلوم نہیں چلے کدھر ہم

کٹ جائینگے جیسے دن خزاں کے   یوں منتظر بہار تھے ہم

روزگار سے فرصت نہ مل سکی
ہر چند پا گئے ترے غم سے نجات ہم

ہم کو پھولوں کی آرزو تھی مگر   اپنی قسمت کہ خار پاتے ہیں

غرض بحیثیت مجموعی شفقت کاظمی صاحب کی یہ غزلیں جدید اردو غزل میں حسرت کی روایت کو آگے بڑھاتی ہیں اور یہ وہ روایت ہے جس نے غزل کی آبرو رکھی ان کی غزلیں مختصر ہوتی ہیں اور یہ مجموعہ بھی مختصر ہے۔ لیکن یہ اختصار ہی غزل کی جان ہے۔ شفقت صاحب کے کلام کا یہ دوسرا مجموعہ ہے وہ اب کسی تعارف یا تقریب کے محتاج نہیں۔ انہوں نے از راہِ کرم اپنا یہ مجموعہ اشاعت سے پہلے مجھے پڑھنے کے لئے دیا اور میں اس لذیذ

داستان کو دراز تر کرتا لیکن میرے ساتھ غمِ جاناں اور غمِ دوراں کے علاوہ اور بھی غم ہیں جن کا نام نہیں۔ اس لئے جتنا لکھنا چاہتا تھا۔ اتنا بھی نہ لکھ سکا۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس مجموعے کی اشاعت سے اُردو غزل کے سرمائے میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہوگا۔ خدا کرے شفقت کاظمی صاحب کا انداز اور نکھرے اور اُردو غزل کو ایک اور حسرت موہانی مل سکے۔

کراچی
۲۹ جنوری ۱۹۵۹ء

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی
صدر شعبہ اردو کراچی یونیورسٹی

(۱)

تھا دل کا جو انداز وہی رنگِ نظر تھا
جو حال اِدھر تھا سو وہی حال اُدھر تھا

اللہ رے ترے جلوۂ رنگین کی بدولت
ہر ذرۂ ہستی مجھے فردوسِ نظر تھا

بس ایک شرارے سے ہوئے خاک یہ دونوں
اُٹھی جو تری آنکھ نہ دل تھا نہ جگر تھا

کیا یاد کروں گریۂ پیہم کی بہاریں
ہر لختِ جگر زینتِ دامانِ نظر تھا

تھا رات جو مصروفِ یگانہ نگری میں
کہتے ہیں کہ وہ کاظمیؔ خاک بسر تھا

۹/۳۶ ء

(۲)

شاملِ حال جو تھا فضلِ نمایاں تیرا
فتنۂ غم نہ ہوا بندۂ احساں تیرا

جو گذرتی تھی محبت میں سو گذری مجھ پہ
اب تلافی نہ کرے حسنِ پشیماں تیرا

کیوں پھرے شوق ہر اک سمت پریشاں ہو کر
ہاتھ آئے جو کبھی گوشۂ داماں تیرا

چشمِ بد دور جوانی کا ہے آغاز ہنوز
اور چمکے گا ابھی حسنِ درخشاں تیرا

کاظمی دردِ محبت پہ قناعت کر لے
سعیٔ احباب سے ممکن نہیں درماں تیرا

۲۲ ۶/۴۳

(۳)

لذتِ غم سے آشنا نہ ہوا — جو تری راہ میں فنا نہ ہوا

ہر مرض کا علاج تھا جو وہ نام — کیوں مرے درد کی دوا نہ ہوا

مایۂ جاں ہے اُن کی یاد ابھی — جن سے چھوٹے ہوئے زمانہ ہوا

عمر بیم و رجا میں بیت گئی — میری قسمت کا فیصلہ نہ ہوا

اُن سے چھٹ کر بھی اُن کی چاہ رہی — جذبۂ عاشقی فنا نہ ہوا

میرے جوشِ وفا کی خیر نہ تھی — وہ تو کہیے کہ تو خفا نہ ہوا

آہ وہ حرفِ آرزو و شفقت

جو لبِ شوق سے ادا نہ ہوا

۱۵ ۲/۴۹

(۴)

اپنوں کا تو کیا ذکر مخالف ہے زمانہ
ہم کس سے کہیں اپنی تباہی کا فسانہ

خطرہ ہے اب اُن کو بھی مکافاتِ ستم کا
آیا نہ اُنہیں راس مرے دل کا ستانا

رہ رہ کے مری یاد اُنہیں بیتاب کرے گی
آئے گا بہر حال کبھی وہ بھی زمانہ

یہ عہدِ محبت ہے مری زیست کا ضامن
اِس عہدِ محبت کو کہیں بھول نہ جانا

تکلیف نہ کر مفت میں اظہارِ کرم کی
دشوار ہے شفقت کے مقدر کا جگانا

۲۵ $\frac{۲}{۵۰}$

(۵)

بہت دشوار ہے اُس کا بھلانا
تری صحبت میں گذرا جو زمانہ

مریضِ غم کی نبضیں چھُوٹ چکی ہیں
برابر ہے ترا آنا نہ آنا

تری حسرت نہ چھوٹی ہے نہ چھوٹے
مرے ترکِ محبت پر نہ جانا

ہمیں اقرارِ جرمِ عاشقی ہے
جفائے دوست کیوں ڈھونڈے بہانہ

مٹا کر مجھ کو اتنا کیجیے گا،
مری بربادیوں کا غم نہ کھانا

ہمیں ہم تھے جہاں دن رات شفقتؔ
اب اُس محفل میں آنا ہے نہ جانا

۲۶ ۲/۵

(۶)

ملتی نہیں جو تیرے تغافل کی انتہا
کرنا پڑے کہیں نہ ہمیں ترکِ مدعا

تھی اُن کی بے رخی جو بعنوانِ اعتنا
ہم کر سکے نہ ترکِ محبت کا حوصلہ

بے سود ہے نمائشِ اندازِ التفات
دل ہے تری ادائے ستم پر مٹا ہوا

مامن کہاں کسی کے لئے تجھ سے چھوٹ کر
دنیا سے اٹھ گیا جو ترے در سے اٹھ گیا

منزلِ غمِ فراق کی نزدیک آگئی
رہنے لگا ہے پھر کوئی ہم سے خفا خفا

محروم یاں تھیں اپنے مقدر ہیں کاظمی
غیر دل کا ہے قصور نہ احباب کی خطا

۲۲ ۷/۵۰

(۷)

ہم سے پیمانِ شوق توڑ دیا،
بے وفاؤں نے ساتھ چھوڑ دیا

دل کو راس آ چلی تھی فکرِ فراغ
پھر تری یاد نے جھنجھوڑ دیا

کوئے جاناں سے اب نہیں مطلب
ہم نے وہ راستہ ہی چھوڑ دیا

نہ رہا دل ہی نام کو بھی لہو
شدتِ غم نے یوں نچوڑ دیا

تجھ سے بے سود ہے گلہ ہم کو
جب مقدر نے ساتھ چھوڑ دیا

جس طرف کو پھرے ہیں وہ شفقت
ہم نے بھی رُخ ادھر کو موڑ دیا

۱۳ ۲/۵۶

(۸)

وہ خوگرِ شیوۂ بیداد رہا
میں بہرحال اُنہیں یاد رہا

راس آئی نہ تری لذتِ غم
شوق منت کشِ فریاد رہا

تذکرے اور تو سب بھول گئے
اک ترا ذکر ہمیں یاد رہا

کیسے اُس دل کو میں برباد کہوں
جو تری یاد سے آباد رہا

انتہا جس کی تغافل ٹھیری
وہ ترا لطف ہمیں یاد رہا

یاد آنا تھا نہ آیا تجھ کو،
میں کہ برباد تھا برباد رہا

کام دنیا سے نہ رکھا مَیں نے
بندۂ حُسنِ خداداد رہا

شکوۂ غم نہ کیا اے شفقتؔ
اپنی تقدیر سے میں شاد رہا

۱۰ ۶/۵۷

(۹)

نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا — تجھ کو با دیدۂ تر دیکھ لیا
جاتے جاتے بھی تجھے وقتِ سفر — شوق نے ایک نظر دیکھ لیا
لالہ و گل پہ اُداسی ہے وہی — اِن بہاروں کا اثر دیکھ لیا
تیری محفل میں رسائی تو کہاں — دُور سے پردۂ در دیکھ لیا

اس کی جانب نگراں ہر شفقت
اور یاروں نے اگر دیکھ لیا؟

۱۸ ۸/۵۷

(۱۰)

کچھ اپنا جذبۂ دل بھی اثر دکھا نہ سکا
ترے تغافلِ بے جا میں فرق آ نہ سکا

کہاں کہاں تیری حسرت لئے پھری مجھ کو
مگر کبھی ترے کوچے کی راہ پا نہ سکا

ترے سلوک سے مجھ کو شکایتیں تھیں بہت
یہ اور بات ہے دل سے زباں پہ لا نہ سکا

مرے خیال کی دنیا پہ جو محیط رہے
مرا نصیب کہ میں اُن کو یاد آ نہ سکا

دن اپنی عمر کے یوں بھی گذر گئے اے دوست
تری بلا سے اگر میں قرار پا نہ سکا

نیازِ عشق نے ہر چند سعی کی شفقتؔ
مزاجِ دوست مگر کچھ سمجھ میں آ نہ سکا

۲۱ ۹/۵۷

(۱۱)

وہ ہر کلی سے نمایاں ہوئے تو کیا ہوگا
بھری بہار کا عنواں ہوئے تو کیا ہوگا

بجا کہ اُن سے نہ رکھیں گے کوئی ربط مگر
وہ آپ سلسلہ جنباں ہوئے تو کیا ہوگا

ابھی تو اُن کو ندامت ہے شکوۂ غم پہ
کبھی ہم آپ پشیماں ہوئے تو کیا ہوگا

خیالِ گردشِ دوراں بھی شاق ہے جن کو
شکارِ گردشِ دوراں ہوئے تو کیا ہوگا

وہ ہم کہ ہیں ترے جلووں سے کامگار بہت
ہلاکِ تلخیٔ ہجراں ہوئے تو کیا ہوگا

نکل کے گوشۂ عزلت سے ہم کبھی شفقت
شریکِ محفلِ یاراں ہوئے تو کیا ہوگا

۸ ۱۱/۵۷

(۱۲)

ہم اُن سے اور وہ ہم سے ملے تو کیا ہو گا
اِسی طرح جو چلے سلسلے تو کیا ہو گا

بہار آئی ہے سامانِ رنگ و بو لے کر
چمن میں پھول نہ پھر بھی کھلے تو کیا ہو گا

یہی کہ نیند نہ آئے گی پھر کسی کروٹ
کبھی وہ خواب میں آ کر ملے تو کیا ہو گا

بجا ہیں تیری محبت کے سلسلے اے دوست
نہ آئے راس جو یہ سلسلے تو کیا ہو گا

وہ شوقِ رسم وہ دِ دوستی کہاں شفقت
بچھڑ کے پھر کوئی ہم سے ملے تو کیا ہو گا

۱۱/۵۷ء

(۱۳)

جن سے مانوس اک زمانہ تھا
اُن سے اپنا بھی دوستانہ تھا

اُن کو خود جا کے پھر منا لیتے
گزری باتوں کو بھول جانا تھا

یوں ہمیں انتظار تھا اُن کا
جیسے اُن کو ضرور آنا تھا

اب پریشانیوں سے کیا حاصل
کچھ سمجھ کر مجھے مٹانا تھا

اُن کے آنے سے بات کیا بنتی
مجھ کو ہر حال جی سے جانا تھا

کیسے دنیا کو ہو گیا معلوم
ربط اُن سے تو غائبانہ تھا

اے خوشا وہ دیارِ خلد سواد
جس میں اپنا کبھی ٹھکانہ تھا

دشمنِ جاں ہیں اب تو وہ شفقت
تھا کبھی اُن سے دوستانہ تھا

۱۲/۵۷ ء

(۱۴)

جب ترے قرب میں ٹھکانا تھا — کتنا دلچسپ وہ زمانہ تھا
اُس مصیبت کی انتہا نہ ملی — جس مصیبت کا میں نشانہ تھا
سر پھری بازدید کیا معنی — کچھ فقیروں کا دکھ بٹانا تھا
زیست کیا زیست کی حقیقت کیا — صبح آنا تھا شام جانا تھا
اُن سے میرا معاملہ یارو — کچھ حقیقت تھی کچھ فسانہ تھا
مجھ کو ہر عیش سازگار رہے — میری قسمت میں غم اُٹھانا تھا
کوئی اُمید بھی دِلاتی تھی — ربط ہم سے اگر بڑھانا تھا

مجھ کو عزمِ سفر جو تھا فقفقت،
اپنے پیاروں سے مِل کے جانا تھا

(۱۵)

بادہ اپنا ہے اب نہ جام اپنا — تم کو اے مغبچو سلام اپنا
ہم کہاں پھر ترا دیار کہاں — کوئی دن اور ہے قیام اپنا
تیری نسبت ترے تعلق سے — خوب نکلا جہاں میں نام اپنا
وائے اُن محفلوں کی محرومی — جن سے مخفی رہا کلام اپنا
کتنی آباد تھی گلی تیری — جتنی مدت رہا قیام اپنا

دیکھئے دنیا کا ساتھ اے شفقت
ہم نے خود کھو دیا مقام اپنا

۲۳ ۱۲/۵۷

(۱۶)

ذکر اُن کا ہزار بار کیا، یوں شبِ غم کو خوشگوار کیا

اور بڑھتا گیا فسانۂ شوق ہم نے ہر چند اختصار کیا

تیرے احسان ہم کو یاد آئے دل کے داغوں کو جب شمار کیا

کر لیا ترکِ آرزو ہم نے یوں مداوائے ہجرِ یار کیا

وہ جو بگڑے تو ہم نے بھی شفقتؔ
شیوۂ صبر اختیار کیا

۲۴ ۱۲/۵۷

(۱۷)

اُداسیوں میں ترا نام جب لیا ہوگا
کچھ اور درد کا احساس بڑھ گیا ہوگا

ترے بغیر کہاں تک کوئی جیا ہوگا
غمِ حیات سے گھبرا کے مر گیا ہوگا

چراغ اپنی اُمیدِ دل کے تابہ کے جلتے
ہوائے یاس نے سب کو بجھا دیا ہوگا

اُسی پہ تنگ رہے گی زمین کی پہنائی
وہ بے نوا جو ترے در سے اُٹھ گیا ہوگا

مری حیات کا ضامن ہے آجتک شفقتؔ
وہ عہدِ شوق جو اُس نے بھلا دیا ہوگا

۱۴ ۲/۵۸

(۱۸)

دل میں پھر احساسِ غم تازہ ہوا
تجھ سے مل کر اور بھی صدمہ ہوا

حسرتِ دل خون ہو کر رہ گئی
یوں بھی وہ اکثر کرم فرما ہوا

تجھ سے چھٹ کر اب یہ حالت ہو گئی
ہر طرف پھرتا ہوں گھبرایا ہوا

یاد ہے ابتک وہ عرضِ شوق پہ
رنگ اُن کا اور بھی کھلتا ہوا

پھر وہ یادیں مضطرب کرنے لگیں
بھول بیٹھے تھے جنہیں عرصہ ہوا

عرضِ غم پر مسکرا دینا ترا
پردہ دارِ رنجشِ بیجا ہوا

چل رہا ہوں یوں کسی کی راہ میں
جیسے کوئی راستہ بھولا ہوا

اُن سے مل کر بھی نہ کچھ ہم کہہ سکے
بارہا اے کاظمیؔ ایسا ہوا

۲۶ ۳/۵۸

(۱۹)

تھا کبھی ہم سے بھی دوستانہ ترا — ہم کو بھولا نہیں وہ زمانہ ترا

اہلِ محفل کی دلچسپیاں ہیں وہی — کب سے دہرا رہا ہوں فسانہ ترا

میری بربادیوں کا سبب کچھ بھی — نام لیتا ہے لیکن زمانہ ترا

ہم کو اب تک ٹھکانہ میسر نہیں — جانے چھوٹا تھا کب آستانہ ترا

کہہ گئے جو فسانہ زمانے کا ہم — در حقیقت تھا وہ بھی فسانہ ترا

اتنی رسوا تری خوش جمالی نہ تھی — میری خلوت میں تھا جب ٹھکانہ ترا

سو گئی بزم کی بزم اے کاظمی
کوئی سنتا کہاں تک فسانہ ترا

۳۱ ۳/۵۸

نہ تھا کوئی اُس غم کا حاصل نہ تھا — مری زندگی میں جو شامل نہ تھا
تری یاد مجھ پر جو تھی مہرباں، — تری یاد سے میں بھی غافل نہ تھا
تعارف کی نسبت بھی کچھ کم نہ تھی — ترا قرب ہر چند حاصل نہ تھا
زمانے سے قطع نظر تھا درست — زمانہ توجہ کے قابل نہ تھا
تری آنکھ ناحق گریزاں رہی — مرا شوق تحصیلِ حاصل نہ تھا
اُداسی تھی ہر سمت چھائی ہوئی — مرے بعد وہ رنگِ محفل نہ تھا
زمانے میں سب تھے خوش ادا اور بھی — مگر کوئی تیرا مقابل نہ تھا
نوازش تری صرفِ دشمن رہی — کچھ اپنی محبت کا حاصل نہ تھا

وفا کا بھی چسکا تھا شفقت مجھے
مآلِ وفا سے بھی غافل نہ تھا

۶ ۹/۵۸

(۲۱)

ہر کس و ناکس سے بیگانہ رہا
میں دیارِ دوست میں تنہا رہا

منزلیں کچھ دور تر ہوتی گئیں
جس قدر اپنا قدم بڑھتا رہا

وہ مری محرومیوں کی بات تھی
مدتوں جس کا بہت چرچا رہا

شکوۂ بے مہریٔ یاراں غلط
میں بھی خود یاروں سے بے پروا رہا

کس کو ہمدردی تھی میرے حال سے
آپ اپنی جان کو روتا رہا

تیری یادوں کے نکل جانے کے بعد
اب مرے حسرت کدے میں کیا رہا

آہ وہ تحریرِ غم اے کاظمی
جس کو خونِ دل سے میں لکھتا رہا

۹/۵۸ ۱۲

(۲۲)

اُن کو احساسِ تمنا ہو گا
مطمئن ہوں کبھی ایسا ہو گا

تم سے جس کو نہ محبت ہو گی
وہ کوئی بندۂ دنیا ہو گا

کشت اپنی رہی محروم تو کیا
ابر آخر کہیں برسا ہو گا

جیسے برباد ہوئے ہیں ہم لوگ
اِس طرح کم کوئی اُجڑا ہو گا

بے سبب یاد جو کرتے ہیں تجھے
ہم کو شاید کوئی سودا ہو گا

ساتھ دنیا کا نہ دینگے جب تک
کیسے دنیا میں گزارا ہو گا

تجھ سے جو درد ملے گا ہم کو
مایۂ نازِ تمنا ہو گا

ہر قدم پھول کھلے ہیں جیسے
کون اِس راہ سے گزرا ہو گا

دل کی راہوں میں کسی کو شفقت
ہم نے ہر گام پکارا ہو گا

۲۱ ۱۰/۵۸

(۲۳)

وہ گلستاں وہ چمن یاد رہا — جلوۂ سرو و سمن یاد رہا

میری ہر آس کو توڑا جس نے — مجھ کو تیرا وہ سخن یاد رہا

جن بہاروں نے گلستاں پھونکے — اُن بہاروں کا چلن یاد رہا

دل سے یاروں کا تصور نہ گیا — مجھ کو غربت میں وطن یاد رہا

کاظمی ترکِ تعلق پر بھی

وہ بُتِ عربدہ فن یاد رہا

۲۱ ۱/۵۹

(۲۴)

ربط اُن سے عقدۂ مشکل رہا
اک حجاب درمیاں حائل رہا

ہم اُسی کی یاد میں کھوئے رہے
جو ہمارے حال سے غافل رہا

روکشِ جنت مری محفل رہی
کوئی جب تک رونقِ محفل رہا

میں کہاں آسائشِ منزل کہاں
عمر بھر آوارۂ منزل رہا

درپئے دل بھی تھا وہ یادش بخیر
جو بظاہر غمگسارِ دل رہا

میرے اُٹھ آنے پہ شفقتؔ دیر تک
ایک سناٹا سرِ محفل رہا

۶/۲/۵۹

(۲۵)

ہر نفس تیرے تصور میں گزارا اے دوست
ہم نے یوں اپنے مقدر کو سنوارا اے دوست

کم نگاہی پہ تری ہم کو تعجب کیوں ہو
کون ہوتا ہے غریبوں کا سہارا اے دوست

سرسری تجھ سے رہ و رسم تھی اپنی لیکن
نہ ہوئی یہ بھی زمانے کو گوارا اے دوست

کیوں مرے عہدِ محبت کی نشانی نہ رہی
کیا ہوا اب وہ ترا حُسنِ دل آرا اے دوست

یہ بھی اک بات ہے تسکینِ تمنا کے لئے
ورنہ کس کو ہے تری دید کا یارا اے دوست

غم کی تاریک فضاؤں میں کچھ ایسا ڈوبا
پھر نہ چمکا میری قسمت کا ستارا اے دوست

تیری منزل کی درازی کا تصور توبہ
شوق نے تجھ کو ہر گام پکارا اے دوست

زندگی سے مجھے اتنی بھی نہ وحشت ہوتی
کوئی ہوتا جو ترے بعد سہارا اے دوست

کیوں نہ شفقت کے لئے وجہِ تسلی ٹھیرا
وہ ترا نام کہ تھا جان سے پیارا اے دوست

۲۵ ۸/۵۷

(۲۶)

بحالِ غیر تجھے التفات ہے اے دوست
سب اپنے اپنے مقدر کی بات ہے اے دوست

گذر گیا جو زمانہ ترے خیالوں میں
اب اسکی یاد متاعِ حیات ہے اے دوست

ترا دیار کہاں اور مَیں غریب کہاں
یہ واردات عجب واردات ہے اے دوست

بجا کہ تجھ سے رہ و رسمِ شوق تھی لیکن
یہ بات ایک زمانے کی بات ہے اے دوست

وہ التفات کہ ہے آج بے سبب مجھ پر
اُس التفات میں بھی کوئی گھات ہے، اے دوست

ترے خیال سے خورسند ہیں بہر صورت
اب اپنے دل کی بھی کائنات ہے اے دوست

ترے بغیر ہے محرومِ زندگی شفقت
ابھی اگرچہ بقیدِ حیات ہے اے دوست

۱۸ ۱/۵۸

(۲۷)

روح بھی راضی دل بھی شاد — اللہ اللہ اُن کی یاد
اور ہوئے وہ لب متبسم — یوں بھی ملی ہے غم کی داد
منہ دیکھے کا پیار ہے سب — کون رکھے گا کس کو یاد
میری بربادی کی ضامن — اپنی قسمت کی اُفتاد
اپنا مقدر اپنی قسمت — کس نے کیا کس کو برباد

شفقتؔ اُن سے ایسی بگڑی
پھر وہ نہ آئے مجھ کو یاد

۱۸ ۱۰/۵۷

زندگی کا کوئی امکاں نہ رہا تیرے بعد
ہر نفس ہے مجھے پیغامِ فنا تیرے بعد

نہ سہی اپنا مقدر جو مجھے راس نہیں
میں بھی ہوں اپنے مقدر سے خفا تیرے بعد

اب کسی سے وہ تعلق ہے نہ وہ چاہ نہ پیار
ختم ہے سلسلۂ مہر و وفا تیرے بعد

یوں مرے خانۂ دل پر ہے اُداسی طاری
جیسے اِس میں کوئی آیا نہ گیا تیرے بعد

اپنی محرومیٔ قسمت کو دعا دیتا ہوں
نہ شکایت ہے کسی سے نہ گِلا تیرے بعد

میرے یاروں کو مرے درد کا احساس نہیں
جیسے دُنیا سے اُٹھی رسمِ وفا تیرے بعد

عیشِ ماضی کا تصور بھی فراموش ہوا
مجھ پہ گذرا ہے وہ طوفانِ بلا تیرے بعد

تجھ سے مل کر جو بآرام گذارے تھے کبھی
یاد کرتا ہوں وہی صبح و مسا تیرے بعد

دلِ شفقتؔ کہ ہے اِس حال میں زندہ اب تک
سخت مجرم ہے بآئینِ وفا تیرے بعد

۲۴ نومبر ۵۷

(۲۹)

بایں خلوص مجھے کیا ملا یہاں آکر
ترے دیار سے نکلا ہوں ٹھوکریں کھا کر

متاعِ ہر دو جہاں ہاتھ آگئی جیسے
بڑی خوشی ہے کسی کو تری خبر پا کر

نشاطِ روح کا ساماں بہم تو کیا ہوتا
بڑھا گئے مری بیتابیاں وہ یاد آکر

مری حیات میں جن سے کبھی اُجالا تھا
وہ دل کے داغ بھی اب رہ گئے ہیں دُھندلا کر

سنا گیا ہوں کئی بار دل کا افسانہ
تری نگاہِ محبت کا آسرا پا کر

نہ دے نگاہ کو یوں رنگِ احتیاط نہ دے
جو کر سکے تو مری سمت بے محابا کر

میں اُن دنوں کے تجسس میں کھو گیا شفقت
نہ آئے دن جو فراغت کے پھر کبھی جا کر

۳۱ ۹/۵۸

(۳۰)

پا کے اُن کو مزاج دانِ فراق — کیوں نہ کہتا میں داستانِ فراق
تجھ سے کیوں راہِ شوق ناکرتے — ہم کو ہوتا اگر گمانِ فراق
اور بگڑا ہے کوئی سُن کے جسے — آہ وہ اپنی داستانِ فراق
کیوں ترے وصل کی ہوس کرتا — شوق ہوتا جو رتبہ دانِ فراق

کاظمیؔ اُن سے کہہ کے بات نہ کہو
نہ سنیں گے وہ داستانِ فراق

۱۰/۴۶ ۱۱

(۳۱)

ہر طبیعت پہ بار تھے ہم لوگ
راستے کا غبار تھے ہم لوگ

دشمنوں سے بھی تھا خلوص ہمیں
وہ محبت شعار تھے ہم لوگ

ہم کو دنیا نے یوں کیا پامال
جیسے دُنیا پہ بار تھے ہم لوگ

موت اپنی بھی اپنے بس میں نہ تھی
کتنے بے اختیار تھے ہم لوگ

راہ اپنی جدا رہی سب سے
یوں تو یاروں کے یار تھے ہم لوگ

اُن کو ناحق تھی بدظنی شفقتؔ
مایۂ اعتبار تھے ہم لوگ

۲۶ ۱۰/۵۸

(۳۲)

خود اپنی گردشِ قسمت تھی راہ میں حائل
وگرنہ دُور نہ تھی اِس قدر تری منزل

وہ دل کہ تیرے ستم سے بھی نامراد رہا
تری نگاہ میں شاید نہ تھا کسی قابل

غمِ حیات نے شانہ ہلا کے چونکایا
جہاں کہیں میں تری یاد سے ہُوا غافل

یہ کس مقام پہ لائی ہے جستجو تیری
نہ فکرِ راہ نہ احساسِ دورئ منزل

کہیں جواب نہ دے جائے اپنی گویائی
زبانِ شوق پہ آیا تو ہے فسانۂ دل

عجب کہ بنا رہی جن پر راہِ محفلِ دوست
اُنہی کا ذکر رہا وجہ گرمئ محفل،

گزار ہا ہے جنہیں تیری راہ میں شفقت
وہ اضطرابِ غم ہیں تو ہے انتظار کا حاصل

$\frac{8}{58}$ 17

(۳۳)

کرتے ہیں سدا الٰہی دعا ہم
اُس در سے کبھی نہ ہوں جدا ہم

وہ محوِ جفا کہاں کجا ہم
دشوار ہوا ہے ربطِ باہم

جاتے ہیں حضورِ دوست لیکن
معلوم نہیں کہیں گے کیا ہم

باوصفِ کمالِ نارسائی
پہنچے ترے در پہ بارہا ہم

منظور نہ ہو تو اپنی قسمت
کرتے ہیں کسی سے التجا ہم

الزام نہیں تری جفا پر
خود تجھ سے نہ کر سکے وفا ہم

ہم سنتے ہیں یوں تری کہانی
جیسے نہ ہوں تجھ سے آشنا ہم

باقی نہ رہا ترا سہارا
ڈھونڈتے ہیں کوئی اور آسرا ہم

شفقت کبھی ربط ضبط بھی تھا
ہر چند ہیں اُن سے اب خفا ہم

۲۹ ۵/۵٦

(۳۴)

گو اُن سے ملے ہیں بیشتر ہم
کچھ دل کی نہ کہہ سکے مگر ہم

اک دشمنِ جاں کو دوست جانا
اللہ تھے کتنے بے خبر ہم

پایا نہ کہیں سراغ تیرا
ہر چند پھرے نگر نگر ہم

اک دھن ہے کہ ساتھ لے چلی ہے
معلوم نہیں چلے کدھر ہم

جینے کے مزے اُٹھا نہ پائے
لائے تھے حیاتِ مختصر ہم

پوچھا نہ کسی نے ہم کو شفقت
گویا تھے متاعِ کس مخر ہم

۲۷ ۸/۵۶

(۳۵)

یوں محوِ تلاشِ یار تھے ہم
آوارۂ ہر دیار تھے ہم

تھا ذکر چمن چمن ہمارا
آوازۂ صد بہار تھے ہم

سچ ہے کہ بڑھا کے ربط اُن سے
خود آپ بھی شرمسار تھے ہم

محفل سے اُٹھا دیا جو تو نے
شاید ترے دل پہ بار تھے ہم

تھا عیشِ جہاں بھی خوب لیکن
آسودۂ یادِ یار تھے ہم

کٹ جائینگے جیسے دن خزاں کے
یوں منتظرِ بہار تھے ہم

گذرے نہ کبھی تم اس طرف سے
زحمت کشِ انتظار تھے ہم

بس اُن پہ نہ دل پہ زورِ شفقت
بیگانۂ اختیار تھے ہم

(۳۶)

کیا کیا تھے محوِ لذتِ جورِ حیات ہم
تیری طرف بھی کر نہ سکے التفات ہم

یاروں نے اُس کے لاکھ فسانے بنا دیئے
تجھ سے جو کہہ گئے تھے کبھی ایک بات ہم

آلامِ روزگار سے فرصت نہ مل سکی
ہر چند پا گئے ترے غم سے نجات ہم

محرومئ جواب کا کھٹکا لگا رہا
اُن کے حضور کہہ نہ سکے دل کی بات ہم

تشریح اپنے شعر کی شفقت ہے اس قدر
لکھتے رہے فسانۂ رنجِ حیات ہم

۲۶ ۱۲/۵۷

(۳۷)

تمہارے ظلم کی روداد ہوں میں
مجسم نالہ و فریاد ہوں میں

چمن میں آشیاں اپنا ہے جب تک
غبارِ خاطرِ صیاد ہوں میں

بہر صورت گذر جائے گی ظالم
تجھے کیا شاد یا ناشاد ہوں میں

نہ جا میری گرفتاری پہ ہمدم
اسیرِ الفتِ صیاد ہوں میں

مری ہستی کا شفقتؔ پوچھنا کیا
کسی کے حُسن کی ایجاد ہوں میں

۱۰/۳۸ ۲۵

(۳۸)

دلِ عیش و جہاں سے اُٹھائے ہوئے سے ہیں
تو قیر تیرے غم کی بچاتے ہوئے سے ہیں

ہر چند میرے حال کی پروا نہیں انہیں
پھر بھی دل و دماغ پہ چھائے ہوئے سے ہیں

مدت سے تیری چشمِ کرم کے ہیں منتظر
دامانِ اشتیاق بچھائے ہوئے سے ہیں

صبحِ وصال اُن میں وہ بے باکیاں کہاں
خود اپنی شکل سے بھی لجائے ہوئے سے ہیں

اچھا جو آپ ترکِ وفا پہ ہیں منفعل،
ہم دوستی کا ہاتھ بڑھائے ہوئے سے ہیں

شفقت یہ سچ ہے ایک جفا جو سے کر کے پیار
آپ اپنے گھر کو آگ لگائے ہوئے سے ہیں

۲۶ ۱۰/۴۰

(۳۹)

کیا کیا کمالِ جذبِ نظر دیکھتا ہوں میں
اُس رخ کو دیکھتا ہوں جدھر دیکھتا ہوں میں

یہ تیرے انتظار میں ہیں بیخودی کے رنگ
اتنی خبر نہیں کہ کدھر دیکھتا ہوں میں

اُس بت سے التفات کی صورت نکل چکی
آہوں کو نامرادِ اثر دیکھتا ہوں میں

ضبطِ غمِ فراق کا انجام الاماں
اشکوں میں رنگِ خونِ جگر دیکھتا ہوں میں

پائیں گے اب بھی آپ نہ کیا خوئے بے رخی؟
حالاتِ شوق نوعِ دگر دیکھتا ہوں میں

مایوسِ انتظار ہوں اے کاظمی مگر
رہ رہ کے پھر بھی جانبِ در دیکھتا ہوں میں

۱ ۳/۴۲

(۴۰)

وہ محبت نہیں وہ چاہ نہیں — اب ہمیں اُن سے رسم و راہ نہیں
سب ہیں ناکام خویش ہوں کہ عدو — تم کسی کے بھی خیر خواہ نہیں
اپنی قسمت جو ہو خراب تو ہو — اُن کی نیّت میں اشتباہ نہیں
اُن سے ملنے کی راہ بند ہوئی — میری تقدیر رو براہ نہیں
کچھ تو گذری ترے سبب ورنہ — کوئی ناحق کو داد خواہ نہیں

مانگئے اُن سے خوں بہا کیونکر
کاظمیؔ جب کوئی گواہ نہیں

نگہِ شوق کو محرومِ تماشا نہ کریں
ہم ترے حسن کا احساں گوارا نہ کریں

آخر اس رنجشِ پیہم کی بھی حد ہے کوئی،
مجھ کو اتنا وہ پشیمانِ تمنا نہ کریں

دل پس از ترکِ تمنا بھی مچل جاتا ہے
وہ محبت کی نظر سے مجھے دیکھا نہ کریں

بات اربابِ جفا کی جو کہیں چل نکلے،
غیر ممکن ہے کہ ہم ذکر تمہارا نہ کریں

دیکھئے شیوۂ بیداد کی تذلیل نہ ہو
آپ دلجوئیِ اربابِ تمنا نہ کریں

اک نظر کے بھی روادار نہیں جو شفقت
وہ مجھے اپنی حضوری میں بلایا نہ کریں

۹ ۳/۵۵

(۲۴)

یاد اُنہیں میری داستاں بھی نہیں
میں تو میں اب مرا نشاں بھی نہیں

نہ سہی تیرے کام کی لیکن
عاشقی جنسِ رائیگاں بھی نہیں

تم نے اچھا کیا اگر نہ سنا
دردِ دل لائقِ بیاں بھی نہیں

اُن سے ملنے کی آرزو ہے مجھے
جن کے ملنے کا اب گماں بھی نہیں

دشمنِ جاں سہی مگر اے دوست
غم ترا ماورائے جاں بھی نہیں

کاظمی عیشِ جاوداں کے عوض
لذتِ عاشقی گراں بھی نہیں

۲ ۷/۵۵

(۴۳)

نہ سہی تجھ کو التفات نہیں — شوق اپنا ہوس کی بات نہیں
کیا کریں عرضِ التفات اُن سے — جو تمنا سائے التفات نہیں
ذکر ہے اپنی بدنصیبی کا، — تیری بے مہریوں کی بات نہیں
اُن کی بیداد ہے بشکلِ کرم — شوق محرومِ التفات نہیں

کچھ نہیں کاظمی غزل تیری
گر محبت کی واردات نہیں

۷ ۶/۵۶

(۴۵)

یہ تیری رنجشِ بیجا نے گُل کھلائے ہیں
ہم اپنے ذوقِ محبت سے تنگ آئے ہیں

مری وفاؤں کا شاید یہی صلہ تو نہیں!
وہ میرے حالِ پریشاں پہ مسکرائے ہیں

تری گلی میں گماں ہے کہ رہ گیا ہو گا
ہم اپنے دل کو کہیں آج بھول آئے ہیں

ہم اُن کی بزم سے تنہا کبھی نہیں لوٹے
ہزار حسرت و ارماں بھی ساتھ لائے ہیں

تری نگاہ نے کیں عذر خواہیاں کیا کیا
کبھی جو حرفِ شکایت زباں پہ لائے ہیں

ہمارے حال پہ وہ کیوں نظر کرے شفقت
ازل سے قسمتِ ناکام لے کے آئے ہیں

$\frac{۹}{۵۶}$ ۸

(۴۵)

ہم اگر قسمت سے ہیں اندوہگیں
وہ سراپا ناز بھی کچھ خوش نہیں

ختم کر دیں میری جانِ زار پر
جس قدر انکو جفائیں یاد تھیں

وہ نظر جب تک کرم فرما نہ ہو
حسرتیں دل کی نکلنے سے رہیں

کیا کہوں اُس جلوۂ بے نام سے
یاد پڑتا ہے کہ دیکھا تھا کہیں

خود جلایا تھا جنہیں تو نے کبھی
وہ تمناؤں کی شمعیں بجھ گئیں

تا بہ کے رہتا میں تجھ سے بے نیاز
جب ترا ہر ناز تھا شوق آفریں

اپنے غم خانے کی حالت کیا کہوں
ہر بلا شفقت اترتی ہے یہیں

۶ ۱/۵۷

(۴۶)

متاعِ جاں کو ہم اُن پر نثار کرتے ہیں
جو کہہ چکے تھے وہ انجامِ کار کرتے ہیں

وفائے وعدۂ دیدار ہو چکی تم سے
ستم نصیب عبث انتظار کرتے ہیں

کوئی اُمید ہے باقی نہ کوئی آس ہمیں
یہ اور بات کہ ہم تجھ سے پیار کرتے ہیں

مزے جو عشرتِ ماضی کے یاد کرتا ہوں
کچھ اور بھی وہ مجھے بے قرار کرتے ہیں

وہ ایک تُو کہ ہمیں قول دے کے بھول گیا
وہ ایک ہم کہ ابھی انتظار کرتے ہیں

نہ آئی راس فراغت کی زندگی شفقت
پھر اُن سے ربطِ وفا استوار کرتے ہیں

$\frac{1}{57}$ ۲۵

(۴۷)

اُٹھیں نہ کبھی اُدھر نگاہیں
یہ بات اگر وہ خود نہ چاہیں

اب کیا ہوئے قافلے جنوں کے
سونی ہیں دیارِ دل کی راہیں

دُنیا کو غرض نہ تم کو مطلب
ہم کس سے وفا کی داد چاہیں

نکلے ہیں وہیں سے ہم بہ ذلت
دُنیا کو جہاں ملیں پناہیں

لازم ہے خیال اپنے جی کا
کب تک غمِ دوست سے نباہیں

اے دوست! یہ احتیاط کب تک
ہٹنے سے رہیں مری نگاہیں

مجبور نہ کر سکیں جو اُن کو
بے صرفہ ہیں کاظمی وہ آہیں

۲۶ ۱/۵۷

(۴۸)

زندگی موردِ الزام نہیں — میری تقدیر میں آرام نہیں
میری تسکینِ تمنا کے لئے — اُس نظر میں کوئی پیغام نہیں
نامرادوں پہ تری حسرتِ دید — اور کیا ہے اگر الزام نہیں
مٹ گئی خود بھی مٹا کر مجھ کو — آج وہ گردشِ ایام نہیں

لطفِ آغاز سلامت شفقتؔ
مجھ کو اندیشۂ انجام نہیں،

٩ ٦/٥٧

(۴۹)

ہم کو ایامِ طرب یاد نہیں
صحبتیں اُن سے تھیں کب یاد نہیں

تجھ پہ آیا دلِ شیدا کیونکر
تیری چاہت کا سبب یاد نہیں

وقت کے ساتھ گئی وقت کی بات
قصۂ دورِ طرب یاد نہیں

ظلم ڈھاتے تھے جو تو نے مجھ پہ
کچھ تو ہیں یاد جو سب یاد نہیں

محوِ عشرت ہو کچھ ایسے کہ تمہیں
تشنہ کامانِ طرب یاد نہیں

ہم بھی پیمانِ وفا بھول چکے
نہ سہی تجھ کو جواب یاد نہیں

بندۂ عشقِ بتاں ہیں شفقت
ہم کو اب نام و نسب یاد نہیں

۱۵ ۶/۵۷

جہاں اُن سے ملاقاتیں رہی ہیں — وہاں ہر رنگ کی باتیں رہی ہیں
نگاہِ یار سے باتیں رہی ہیں — کبھی یوں بھی ملاقاتیں رہی ہیں
جہاں تدبیر کی چلتی نہ دیکھی — وہاں تقدیر سے باتیں رہی ہیں
کبھی اُن کے تصور کی بدولت — عجب صحبتیں عجب راتیں رہی ہیں
وہاں سویا کیا بے فکر کوئی — یہاں شب بھر مناجاتیں رہی ہیں
نرالی تھی یہ تقسیمِ ازل بھی — وہاں صبحیں یہاں راتیں رہی ہیں
پلا یاروں میں جب ذکرِ محبت — مرے قصے تری باتیں رہی ہیں

جو بیگانہ ہیں شفقتؔ آج ہم سے
کبھی اُن سے ملاقاتیں رہی ہیں

۱۰/۵۷ ۱۷

(۵۱)

اور کبھی شدتِ احساس بڑھا جاتے ہیں
کبھی گذرے ہوئے لمحات جو یاد آتے ہیں

عمر گذری ہے رہِ شوق میں چلتے چلتے
دیکھئے کب تیری منزل کا نشاں پاتے ہیں

شوق سو بار تری بزم میں لے جاتا ہے
اپنی تقدیر کہ ناکام پلٹ آتے ہیں

تم بگڑ کر جو کبھی مجھ سے جدا ہوتے ہو
کتنے طوفان مرے سر سے گذر جاتے ہیں

اپنے حالات کی تغییر کا باعث میں ہوں
آپ ناحق میرے حالات کا غم کھاتے ہیں

انتظارِ نگہِ لطف کہاں تک کرتے
لے تری بزم سے ہم آج اُٹھے جاتے ہیں

واں سے اُٹھ کر مجھے محسوس یہی ہوتا ہے
جیسے وہ بھی میرے ہمراہ چلے آتے ہیں

اے خوشا کوچۂ جاناں کی ہوائیں شفقت
جن کی ہر موج میں ہم بوئے وفا پاتے ہیں

۱۲/۵۷ ۳۱

(۵۲)

بے سود ہیں منتظر نگاہیں — مسدود ہوئیں کسی کی راہیں
کیوں مشق جفا ہیں بے محابا — ہم اور تری رضا نہ چاہیں؟
پہنچے نہ ترے دیار تک ہم — کاٹے نہ کٹیں طویل راہیں
نومید کرم سہی بلا سے — پھر بھی ہیں تری طرف نگاہیں
اس درجہ ہے بے نیاز کوئی — نالے ہیں بکار اب نہ آہیں
اتنے تو حقیر بھی نہ تھے ہم — کیوں آپ نے پھیر لیں نگاہیں

شفقت کوئی جب ہمیں نہ چاہے
ہم مفت ہیں کیوں کسی کو چاہیں

۲۰ ۱/۵۹

(۵۳)

لایا ہوں وفا کے پھول یارو
یہ نذر کرو قبول یارو

ہم اپنی وفا کی لاج رکھیں
دنیا تو ہے بے اصول یارو

پہنچے نہ تمہیں گزند کوئی
ہر غم ہے مجھے قبول یارو

دنیا ابھی ملتفت نہیں ہے
دو قصۂ غم کو طول یارو

کرتے ہیں وفا جفا کے بدلے
اپنا ہے یہی اصول یارو

آخر کوئی بات ہے کہ شفقتؔ
رہتا ہے بہت ملول یارو

۴/۶/۵۷

(۵۴)

لے اُڑے گا مرے فسانے کو — اور کیا چاہیئے زمانے کو

وہ تصور میں آئے تھے لیکن — دل کی بے تابیاں بڑھانے کو

رفتہ رفتہ ترے اسیرِ قفس — بھول جائینگے آشیانے کو

جس زمانے میں ربط تھا اُن سے — یاد کرتا ہوں اُس زمانے کو

اُن کو مطلب مرے فسانے سے — کیوں سُنیں وہ مرے فسانے کو

جب زمانے سے اُٹھ گئے شفقت
یاد آئے بہت زمانے کو

۶ ۸/۵۷

(۵۵)

اپنے لطف و کرم کو عام کرو
غم کے ماروں کو شادکام کرو

جادہ پیماؤ وہ رہی منزل
رخشِ ہمت کو تیز گام کرو

یا مجھے رنج سے نجات ملے
ورنہ قصہ مرا تمام کرو

خاکساروں سے عار کیا معنی
خاکساروں کا احترام کرو

رشکِ گلشن ہے اپنے دل کی فضا
اس فضا میں کبھی قیام کرو

اُن کے آنے کی ہے خبر یارو
کچھ تکلف کچھ اہتمام کرو

اپنے وعدے پہ آچکا کوئی
کاظمی یونہی صبح و شام کرو

۲۲ ۸/۵۷

(۵۶)

گلہ نہیں جو کسی نے مٹا دیا ہم کو
بقدرِ جرمِ تمنا ملی سزا ہم کو

تری نظر بھی دغا دے گئی ہمیں اے دوست
تری نظر پہ بہت اعتبار تھا ہم کو

رہِ حیات کی دشواریاں خدا کی پناہ
ہر قدم تھا بلاؤں کا سامنا ہم کو

وہی ہے آپ سے ملنے کی آرزو اب تک
اگرچہ آپ نے دل سے بھلا دیا ہم کو

متاعِ عیش کی ضامن تھی زندگی اپنی
ترے بغیر مگر ہو گئی بلا ہم کو

تری جناب کہاں ہم نیاز مند کہاں
خدا نکردہ پڑے تجھ سے واسطہ ہم کو

غمِ حیات کا شکوہ کسی سے کیا کرتے
جو تھا نصیب میں شفقتؔ وہی ملا ہم کو

۹/۶/۵۷

(۵۷)

جو ہو سکے تو کرم کی نگاہ فرماؤ
کسی کی حسرتِ ناکام پر ترس کھاؤ

کبھی کبھی کے تصور سے دل نہیں بھرتا
مرے خیال میں آؤ تو بار بار آؤ

نہ آئے راس دیارِ طرب کے ہنگامے
پھر آگیا ہوں مسافر نوازِ صحراؤ

مریضِ غم کو بہر حال جان دینا تھی
اب اپنی غفلتِ بے جا پہ تم نہ پچھتاؤ

مجھے بھی قافلے والو ذرا خبر دینا
کہیں جو منزلِ مقصود کا پتہ پاؤ

مرے الم کا ہے یارو اگر تمہیں احساس
دوائے دردِ محبت کہیں سے لے آؤ

بڑا کٹھن ہے غمِ دل کا راستہ شفقت
خیالِ یار کی لہروں سے کھیلتے جاؤ

۲۵ ۱۲/۵۷

(۵۸)

کب ساکنانِ دیر و حرم دیکھتے رہے
جلوے جو تیرے حسن کے ہم دیکھتے رہے
ہم بدگمانِ شوق تسلّیؔ نہ ہو سکے،
ہر چند وہ بچشم کرم دیکھتے رہے
جب تک ترے خیال نے کیں رہنمائیاں
منزل کو ہم بھی زیرِ قدم دیکھتے رہے
ابنائے روزگار کی اللہ رے بے حسی
آنکھوں سے انقلابِ امم دیکھتے رہے
توقیرِ فقرِ عشق کی بڑھتی چلی گئی،
شفقتؔ سب اہلِ جاہ و حشم دیکھتے رہے

۵/۱۴ ۱

؎ تسلی شدن محاورہ فارسی
جس کو ہو جان و دل عزیز... جسگر تشنہ آزار تسلی نہ ہوا جوئے خوں ہم نے بہائی بن ہر خار کے پاس
(غالب)

(۵۹)

اُداسی سی اُداسی چھا رہی ہے
طبیعت ہے کہ بیٹھی جا رہی ہے

بجا ہے خون اپنا بے اثر تھا
نگاہِ ناز کیوں شرما رہی ہے

مرے اظہارِ ترکِ عاشقی پر
اُنہیں اپنی جفا یاد آ رہی ہے

وہ اپنے جور پر شرما رہے ہیں
مری تقدیر پلٹا کھا رہی ہے

ترے غم کا مزا بھی جانِ شفقت
بمقدارِ محبت پا رہی ہے

۲۶ ۳۴ھ

(۶۰)

اب تو راس آ ہی چکا تھا رنجِ تنہائی مجھے
یاد اُس بے مہر کی نا حق کو پھر آئی مجھے

کیوں نہ ہوں ممنون اپنی خاطرِ مجبور کا
بارہا جو تیری بزمِ ناز میں لائی مجھے

رابطۂ ماضی کا صِلہ کہیئے تو اس کو جان لوں
آپ نے بخشا ہے اب جو داغِ تنہائی مجھے

اے گلستانِ محبت واہ کیا کہنا ترا
تیرے ہر اک پھول سے خوشبوئے یار آئی مجھے

اضطرابِ شوق دل میں کارفرما ہو چکا
اب کہاں اے کاظمی تابِ شکیبائی مجھے

۱۰ ۴/۴/۴

(۶۱)

ہم اُس کافر کو دیں کیوں مفت الزامِ جفا کاری
ہمارے حال کی دشمن ہے خود اپنی وفاداری

زمانہ ہو چکا تیری جدائی کو مگر اب تک
مری دنیائے دل پر ہے وہی افسردگی طاری

نہ کر اے حسنِ بے پروا نہ کر کوشش ازالے کی
کہاں ٹلتی ہے ٹالے سے مری تقدیر کی خواری

سزاوارِ ترحم ہے یقیناً سادگی اُن کی
جنہیں اُس شوخِ بے پروا سے ہے اُمیدِ غمخواری

سمجھ لینا کہ اُن کا آستاں نزدیک آپہنچا
جہاں اے کاظمی تیرے قدم ہونے لگیں بھاری

۱۸ ۹/۴۵

(۶۲)

جفائے یار نہ انداز دلبری نہ رہی
مرے نصیب میں شاید کوئی خوشی نہ رہی

اُس ابتدائے محبت کا ذکر لاحاصل
جس ابتدائے محبت کی یاد بھی نہ رہی

عجیب چیز تھی اُس آستاں کی دربانی
کہ جس کو پا کے ہوائے سکندری نہ رہی

اِدھر مریضِ شبِ غم نے موند لیں آنکھیں
اُدھر فلک پہ ستاروں میں روشنی نہ رہی

نصیبِ اہلِ تمنا سنور گیا شاید
کہ زلفِ یار میں پہلی سی برہمی نہ رہی

ہماری موت محبت کی موت تھی شفقتؔ
ہمارے بعد رہ و رسمِ عاشقی نہ رہی

۹ ۱/۵۵

(۶۳)

خوشی سے خود ہوا برباد کوئی — نہ ہو شرمندۂ بیداد کوئی

مرے غم سے کسی کو کیا تعلق — سنے کیونکر مری روداد کوئی

ابھی سے کیوں ہوں مایوسِ محبت — ہمیں آخر کرے گا یاد کوئی

نہ تھی کارِ نمایاں موت اپنی — مجھے کیوں دے مبارکباد کوئی

کسی قابل نہ تھی اپنی تمنا — اگر اس پر نہ کرتا صاد کوئی

تعلق جب نہیں باقی تو شفقتؔ
مجھے آتا ہے ناحق یاد کوئی

۱۴ ۲/۵۲

(۶۴)

نہیں ایسی بھی جنسِ فقر سستی
خبردار اے زمانِ زر پرستی

ترے غم سے اگر آباد رہتا
جہاں دل پہ کیوں حسرت برستی

تری بیداد بھی اک شے ہے لیکن
مسلم ہے مری ایذا پرستی

نہ دیکھی اَنس اربابِ دل کی
بسر کر دی بحالِ تنگدستی

تری نخوت سے میں دب کر نہ رہتا
اگر قسمت مری مشکیں نہ کستی

نہ دیکھا پھر کبھی آباد دل کو
کچھ اس ڈھب سے ہوئی ویران بستی

چلو اچھا ہوا دُنیا سے اُٹھے
ہم اے شفقت تھے یوں بھی تنگِ ہستی

۵ ۳/۵۵

(۶۵)

ترا غم ہے متاعِ زندگانی
نہ دے مجھ کو فریبِ شادمانی

مرے بعد اُن نگاہوں میں کسی نے
نہ دیکھی پھر ادائے دِلستانی

تغافل ہی نہ تھا اُن کا تغافل
تھی وہ بھی اک ادائے مہربانی

خوشا وہ مشغلے عشق و ہوس کے
عبارت جن سے تھا عہدِ جوانی

ہماری نامرادی میں بھی شفقت
نہاں تھا ایک رمزِ کامرانی

۱۸ ۳/۵۵

(۶۶)

دل پہ اُس غم کی چوٹ کھائی تھی
یہ مصیبت ضرور آنی تھی

اور ہو گا مرے سوا کوئی
جس کی قسمت میں شادمانی تھی

بے سبب انتظار تھا کہ ہمیں
موت آنی تھی جلد آنی تھی

ہم نے بھی کوئی دن بحکمِ جنوں
تیری وادی کی خاک چھانی تھی

تجھ سے چھوٹے تو زندگی اپنی
ایک بھولی ہوئی کہانی تھی

اُن کی محفل میں دخلِ غیر نہ تھا
پاسبانی سی پاسبانی تھی

یادِ ایامِ عاشقی شفقتؔ،
ہر زباں پہ مری کہانی تھی

۲۲ ۳/۵۵

(۶۷)

دل ہے مانوسِ کنجِ تنہائی
مٹ چکا شوقِ محفل آرائی

ان سے چھوٹی نہ سادگی کی ادا
باوجودِ شباب و رعنائی

لے کے آئی پیامِ شوق بھی ساتھ
اُن کی جانب سے جو ہوا آئی

تیرے حُسنِ جنوں نواز کی خیر
کم نہ ہونگے تیرے تمنائی

تجھ سے چھٹ کر نہ کھل سکا اب تک
ہم نے کس جرم کی سزا پائی

جن سے آباد تھی گلی تیری
کیا ہوئے اب وہ تیرے سودائی

گھٹ چلی ہر نظر میں قدر اپنی
بڑھ چلا اعتبارِ رسوائی

شیب کی منزلوں میں اے شفقتؔ
کس کو ہے یادِ عیشِ برنائی

۱۶ ۴/۵۶

بیدادِ ہجر وجہِ اذیت نہیں رہی
یعنی ترے وصال کی حسرت نہیں رہی

جب تک جہاں میں ذکرِ شہیدِ وفا رہا
کیا کیا ترے ستم کی حکایت نہیں رہی

اللہ اپنے جذبۂ مہر و وفا کی خیر
اُن کی جفا برنگ محبت نہیں رہی

راس آ چکی ہیں تیری جفائیں کچھ اِس طرح
محرومیٔ کرم کی شکایت نہیں رہی

مانوس ہو چلا ہوں غمِ دل سے کاظمی
پہلی سی اضطراب کی صورت نہیں رہی

۲۱ ۵/۵۶

(۷۹)

ہم سے کی بھی تو بے نیازی کی
تم نے کیا خوب دلنوازی کی

مندمل ہو سکا نہ زخمِ فراق
لاکھ یاروں نے چارہ سازی کی

اور بھی ضبطِ شوق سے پھیلیں
شہر میں اپنی عشق بازی کی

تجھ سے اے دوست ربطِ شوق اپنا
اک ادا تھی زمانہ سازی کی

مجھ کو پوچھا نہ کاظمیؔ اُس نے
دھوم تھی جس کی دلنوازی کی

۸ ۶/۵۶

(۷۰)

جب وہ صورت کہیں نظر آئی — دل کی ہر چوٹ پھر اُبھر آئی
خوش نہ ہو کیوں لحد میں روح مری — بعد مدت کے اپنے گھر آئی
یوں مقدر نے تجھ سے دور کیا — پھر نہ ہم تک تری خبر آئی
میں ہی تھا ایک بخت کا مارا — جو بلا تھی وہ میرے سر آئی
کون سمجھے تری نظر کے فریب — بے تکلف جو دل میں در آئی
کام اپنا تمام ہو بھی چکا — اے مری موت تو کدھر آئی

عزمِ ترکِ تعلقات بجا
کاظمی ان کی یاد اگر آئی؟

۱۲ ۶/۵۶

مری جانِ حزیں گر محرمِ رازِ بقا ہوتی
خوشی سے جادۂ راہِ محبت میں فنا ہوتی

مٹا دی کثرتِ حرماں نے انکی یاد بھی دل سے
مرے ذوقِ محبت کی تباہی اور کیا ہوتی

مرتب اِس طرح ہوتا فسانہ حُسن و اُلفت کا
جو اُن سے ابتدا ہوتی تو مجھ پر انتہا ہوتی

نہ کرتی اِس قدر بیداد اربابِ تمنا پر
نگاہِ یار اگر کچھ بھی محبت آشنا ہوتی

گرا اُن کی نگاہوں سے تو سب نے پھیر لیں آنکھیں
نہ ہوتے وہ خفا مجھ سے تو دنیا کیوں خفا ہوتی

ہم اُن کے عہدِ باطل پر جو کر لیتے یقیں شفقتؔ
جگر کا درد بڑھ جاتا تپش دل کی سوا ہوتی

۱۸ ۶/۵۶

(۷۲)

فکرِ دنیا میں توجہ بٹ گئی
رفتہ رفتہ ان کی چاہت گھٹ گئی

ہر طرح اے زندگی اچھا ہوا
ہم ہٹے یا ہم سے دنیا ہٹ گئی

منقسم ہے اک نظر دل کے عوض
شکریہ اے دوست میزاں پٹ گئی

اہلِ زنداں اس قدر کیوں شاد ہیں
کس اسیرِ غم کی بیڑی کٹ گئی

وہ جو تھے غافل تو ان سے کاظمیؔ
خود بخود اپنی طبیعت ہٹ گئی

۵ ۱/۵۷

(۷۳)

جب وفا دشمنی ہو خوٗ تیری
کیا کرے کوئی آرزو تیری

اپنے شوقِ طلب کو کیا کہیے
ورنہ کس کو تھی جستجو تیری

میرے شانوں پہ جو کھلی تھی کبھی
آہ وہ زلفِ مشکبو تیری

اب زمان و مکاں نظر میں کہاں
لے گئی دور جستجو تیری

حد نہیں اپنی تر دماغی کی
ہم نے سونگھی ہے جب سے بوٗ تیری

یادِ ایّام بر بنائے خلوص
ہم کبھی رکھتے تھے آرزو تیری

کاظمی کس کی جستجو ہے تجھے
کیوں نگاہیں ہیں چار سو تیری

۱۸ ۱/۵۷

(۴۷)

جنہیں تھا ادعائے دلنوازی
چلی ہے اُن سے رسم بے نیازی

کمی آئی جو اپنی جستجو میں
بڑھی کچھ اور منزل کی درازی

کوئی سیکھے تو اُن آنکھوں سے سیکھے
جفا کاری برنگِ دلنوازی

تری دنیا میں ہم زندہ ہیں اب تک
ہوئی کیا تیرے غم کی جانگدازی

سمجھ لے گا کوئی ہر حال مطلب
زبانِ یار ترکی ہو کہ تازی

نہ نکلے گا کوئی ارمان شفقت
سلامت انکی شانِ بے نیازی

۲۷/۱/۵۷

(۷۵)

آنکھوں آنکھوں میں التجا کی ہے
بات مطلب کی یوں ادا کی ہے

فکرِ انجام کیا ضرور ہمیں
جب محبت کی ابتدا کی ہے

یا مری سعی میں خلوص نہ تھا
یا مقدر نے کچھ خطا کی ہے

جن سے اُمیدِ التفات نہ تھی
ہم نے ایسوں سے بھی وفا کی ہے

کیوں سزاوارِ بے رخی ٹھیرے
ہم فقیروں نے کیا خطا کی ہے

میکشی ہو کہ عاشقی شفقت
ہم نے ہر بات برملا کی ہے

۱۵ ۳/۵۷

(۷۶)

صرفِ مے و جام ہو گئی ہے — یوں عمر تمام ہو گئی ہے

مجھ سے جو نظر کبھی تھی مخصوص — فریاد کہ عام ہو گئی ہے

اللہ رے انتظار اُن کا — اب نیند حرام ہو گئی ہے

خاموش ہوا ہے کہنے والا — روداد تمام ہو گئی ہے

وہ یاد کہ وجہِ غم تھی پہلے — اب عیشِ دوام ہو گئی ہے

دن ختم ہوا سفر ہیں شفقتؔ
رُک جائیں کہ شام ہو گئی ہے

۲۵ $\frac{۳}{۵۷}$

(۷۷)

ہم تری یاد میں بسر کرتے
یوں شبِ غم کو مختصر کرتے

زندگی اُن کے بعد تلخ جو تھی
کیوں نہ دنیا سے ہم سفر کرتے

کوئی سنتا تو ہم ذرا شکوہ
گو مناسب نہ تھا مگر کرتے

ختم ہوتا نہیں فسانۂ شوق
عمر گذری ہے مختصر کرتے

راہ ملتی جو تیری منزل کی
ہم زمانے کو ہمسفر کرتے

کاظمی جس پہ ٹوکتی دنیا
ہم وہی بات عمر بھر کرتے

۲۵ ۳/۵۷

(۷۸)

ہم ترا نام کرہ جہاں کرتے
سننے والوں کو ہم زباں کرتے

تھا یہی دردِ زندگی کا علاج
تیرے غم کو متاعِ جاں کرتے

درد رہتا جو ضبط کی حد تک
تیرے پابند کیوں فغاں کرتے

رفتہ رفتہ قفس میں بھول گئے
تا بہ کے یادِ آشیاں کرتے

اس گلی کا جو عزم تھا شفقتؔ
جذبۂ دل کو ہم عناں کرتے

۲۶ ۳/۵۷

(۷۹)

نہ اب وفا ہے نہ اب جفا ہے — مجھے وہ شاید بھلا چکا ہے
انہیں ہے کیوں مجھ سے بیرخی سی — اگر وفا کا صلہ وفا ہے
ابھی سے فکرِ مآل کیوں ہو — ابھی محبت کی ابتدا ہے
ہم اپنی قسمت پہ صبر کر لیں — تری شکایت ضرور کیا ہے
کرم نے پکڑی ستم کی صورت — وہ ابتدا تھی یہ انتہا ہے

وہ پھر تصور میں آ رہے ہیں
ابھی طبیعت نے دم لیا ہے

۴/۴/۵۷

(۸۰)

یہ تیری یاد کا عالم یہ رنجِ تنہائی
گذر نہ جائیں کہیں جی سے تیرے سودائی

کشاکشِ غمِ دوراں سے بے نیاز رہا
وہ دل کہ جس کو تری چاہ سازگار آئی

ترے دیار کی راہیں نہ مل سکیں شاید
کہ پاؤں توڑ کے بیٹھے ہیں تیرے سودائی

وہ صحبتیں جو دیار انصیب ہو نہ سکیں
انہی کی یاد ہے اب تک رفیقِ تنہائی

یہ ہولناک فضائیں یہ پُرخطر راہیں
نہ جانے مجھ کو تری آرزو کہاں لائی

ہمیں خود اپنی وفا سے نہ شرمسار کرے
بحالِ غیر تری التفات فرمائی

خدا کی شان کہ ہم سے جو سرکشیدہ رہے
اُنہی کی یاد رہی مایۂ دل آسائی

مرے مذاقِ نظر کو دعائیں دیں شفقتؔ
اب اپنے حسن پہ ہے جن کو نازِ یکتائی

۱ ۵/۵۷

(۸۱)

زندگی تجھ پہ لٹا دی ہم نے
یوں تری بات بنا دی ہم نے

کوچۂ یار سے گزرے جو کبھی
اک فقیرانہ صدا دی ہم نے

قصۂ شوق تھا دو لفظ میں ختم
مفت میں بات بڑھا دی ہم نے

ہم کو مطلوب رہا سب کا بھلا
دوست دشمن کو دعا دی ہم نے

اب جہاں جائیں تجھے کیا اے دوست
چھوڑ دی جب تری وادی ہم نے

اب نظر میں ترا غصہ ہے نہ پیار
تیری ہر بات بھلا دی ہم نے

کوئی آیا نہ شبِ غم شفقت
لاکھ یاروں کو صدا دی ہم نے

۱۴ ۶/۵۷

اُس رخ پہ کبھی نظر کرینگے
آخر یہ مہم بھی سر کرینگے

محفل سے تری نکلنے والے
دنیا سے بھی اب سفر کرینگے

ہنس ہنس کے جو تم چلا رہے ہو
ناوک یہی دل میں گھر کرینگے

جس ڈھب سے گذر رہی ہے اپنی
تجھکو بھی کبھی خبر کرینگے

واں بھی نہ ملا جو بار ہم کو
اللہ کہاں بسر کرینگے

کاٹے نہ کٹیں جو غم کی راتیں
خود عمر کو مختصر کرینگے

مٹ جائیں رہِ وفا میں شفقت
تا چند یونہی سفر کرینگے

۱۵ ۶/۵۷

(۸۳)

کچھ نہ کچھ ملتفت نظر آئے
شکر ہے اب وہ راہ پر آئے

ہم ازل سے ہیں گوش بر آواز
دیکھئے کب تری خبر آئے

تیری محفل میں اے ستم آرا
ہم کو آنا نہ تھا مگر آئے

میرے ڈھب کی کسی نے بھی نہ کہی
یوں تو کتنے پیام بر آئے

آنے والے تمہاری محفل سے
آہ بر لب بچشم تر آئے

اک تمہیں کھب گئے نگاہوں میں
ورنہ کتنے حسیں نظر آئے

یاد آیا ہے پھر کوئی شفقت
آنکھ اپنی کہیں نہ بھر آئے

۱۸ ۶/۵۷

(۸۴)

تیرے در سے ہمیں جدا کرتے ۔۔۔ اپنے احباب اور کیا کرتے

خود زمانہ وفا شناس نہ تھا ۔۔۔ ہم زمانے سے کیوں وفا کرتے

لب پہ آ آ کے رہ گیا اکثر ۔۔۔ شرم آئی ترا گِلا کرتے

مر مٹے ہیں تجھے دعا دے کر ۔۔۔ تیرے ناکام اور کیا کرتے

اُن کو پروا نہ تھی تو ہم نسیم شفقت

تا بہ کے عرضِ مدعا کرتے

۲۷ ۷/۵۹

(۸۵)

ہم نے وہ روئے حسیں دیکھا ہے — یاد پڑتا ہے کہیں دیکھا ہے
منہ نہ کھلوا کہ تجھے بھی ہم نے — خوب اے ماہ جبیں دیکھا ہے
واہ کیا انجمنِ یار کی بات — خلد بر روئے زمیں دیکھا ہے
آہ وہ چہرۂ زیبا کہ جسے — ہم نے مدت سے نہیں دیکھا ہے

خیلِ خوباں میں ہمیشہ ان کو
کاظمی صدر نشیں دیکھا ہے

۷/۵۷ ۲۸

جو بھی آتی بصد خوشی سہتے — تیرے ناکام تجھ سے کیا کہتے
ضبطِ فریاد کیجئے کب تک — مدتیں ہو گئی ہیں غم سہتے
کون تھا اپنے حال کا محرم — کس سے رودادِ بیکسی کہتے
یوں نہ پھرتے جہاں میں آوارہ — تیرے کوچے میں ہم جو مر رہتے
شکر ہے دردِ دل کہا نہ گیا — جانئے سن کے آپ کیا کہتے

لاکھ شفقت کوئی جفا کرتا
ہم بہر حال باوفا رہتے

۲۱ ۷/۵۷

(۸۷)

نہ سہی تجھ سے رہ و رسم تمنا باقی
دل میں ہے پھر بھی تری دید کا لپکا باقی

ایک امید تھی لے دیکھے سو وہ بھی چھوٹی
میری تسکینِ محبت کو رہا کیا باقی

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ بایں ربطِ نہاں
مجھ سے ملنے میں ہے کیوں تجھ کو محابا باقی

میں نے ہر خواہشِ باطل کو مٹایا دل سے
اب جو باقی ہے تو ہے تیری تمنا باقی

صلۂ شوق و تمنا تھیں جفائیں تیری
تجھ پہ آتا نہیں کچھ اور ہمارا باقی

اُن کی صحبت ہمیں شفقت جو میسر آئی
نہ رہی اور کسی چیز کی پروا باقی

۳ ۲/۵۷

کیا کیا جہاں میں ہم کو سرافراز کر گئی
وہ زندگی جو تیری طلب میں گذر گئی

کس کو تھا میرے بعد مری آرزو کا پاس
اچھا ہوا کہ وہ بھی مرے ساتھ مر گئی

کہتے تو ہیں کہ ہے کوئی مائل بہ التفات
سنتا تو ہوں کہ اب میری قسمت سنور گئی

پیغامِ زندگی تھی زمانے کے واسطے
وہ اک نگاہ جو مجھے برباد کر گئی

تجھ سے گلہ نہیں کہ مری جانِ نامراد
دکھ درد جو نصیب میں لکھے تھے بھر گئی

ناکامیوں نے ساتھ نہ چھوڑا تو کیا ہوا
شفقت کسی کے شوق میں یوں بھی گذر گئی

۳ ۸/۵۷

(۸۹)

اِسی اُمید پہ ہم دیکھتے ہیں راہ تری
کبھی اِدھر کو بھی شاید اُٹھے نگاہ تری

چلا تھا لے کے جہاں سے متاعِ محرومی
مری نظر میں ہے اب تک وہ بارگاہ تری

ترے جمال کا مشتاق اک زمانہ رہا
اگرچہ راس نہ آئی کسی کو چاہ تری

وہی نگاہ مرے دل کی بات پا نہ سکی
ہزار بار ملی مجھ سے جو نگاہ تری

ترے دیار کی راہیں انہی پہ بند رہیں
بصد خلوص جو ڈھونڈھا کیے پناہ تری

وہ رونقیں وہ بہاریں وہ نزہتیں نہ رہیں
ترے بغیر ہے کتنی اُداس راہ تری

ہزار بار کسی سے نظر ملی شفقت
مگر وہی ہے ابھی حسرتِ نگاہ تری

۴ ۸/۵۷

(۹۰)

ہوائے عیشِ جاں کم ہو گئی ہے
طبیعت رہروِ کشِ غم ہو گئی ہے

سجائی تھی جو تم نے اپنے ہاتھوں
وہ بزمِ شوق برہم ہو گئی ہے

مری محرومیاں اللہ اکبر
اب اُن کی یاد بھی کم ہو گئی ہے

جہاں نکلی کوئی بات اُنکے منہ سے
وہی تقدیرِ عالم ہو گئی ہے

خفا رہنے لگا ہے جب سے کوئی
محبت اور محکم ہو گئی ہے

چھڑی ہے جب مری روداد شفقت
کسی کی آنکھ بھی نم ہو گئی ہے

۱۱ ۸/۵۷

رہے گر یونہی مسلط غمِ زندگی کے سائے
تری یاد بھی تعجب کیا مرا ساتھ چھوڑ جائے

رہ و رسمِ دوستی سے کہیں باز آ نہ جائے
تری بے رخی کے صدمے کوئی تا بہ کے اٹھائے

ترے کوئے محترم تک جو بصد خلوص پہنچے
وہی نامراد لوٹے وہی نامراد آئے

یہ ہے اپنی اپنی قسمت یہ ہے اپنا اپنا لہنا
میں کسی کو یاد رکھوں کوئی مجھ کو بھول جائے

نہ ملی تری نظر سے غمِ دل کی داد شاید
ترے در سے آ رہا ہے کوئی آج سر جھکائے

بایں جستجوئے پیہم کبھی داد خواہ تیرے
تری بزم تک نہ پہنچے تیری بزم تک نہ آئے

۱۴ ۸/۵۷

(۹۲)

اے آنکہ بہ عیش می گزاری
از حالِ دلم خبر نہ داری

اندیشۂ ایں و آں ندارم
با قسمتِ مرا ہوائے یاری

خوش باد مرا بہ اشکِ خونیں
بر دامنِ شوق لالہ کاری

بُردیم بسر بہ نامرادی
چوں بخت نہ کرد سازگاری

پیغامِ سکوں مدہ کہ شفقتؔ
شاد است بہ شغلِ آہ و زاری

۱۵ ۸/۵۷

(۹۳)

خبر نہیں کہ ہوئی کونسی خطا ہم سے
خفا خفا سی ہے وہ چشم آشنا ہم سے

ہمیں نے تجھ کو زمانے سے روشناس کیا
چلا ہے تیری محبت کا سلسلہ ہم سے

نگاہِ شوق سے دیکھا تھا کب مگر برسوں
جمالِ یار کو آتی رہی حیا ہم سے

یہ اور بات کہ اظہارِ حال کر نہ سکے
ملے وہ یوں تو سرِ راہ بارہا ہم سے

ہمارے حال سے گذرے یوں وہ بیخبر شفقتؔ
کہ جیسے اُن کو نہ تھا کوئی واسطہ ہم سے

۹/۵۷ ۴

(۹۴)

زیرِ لب کہہ گئے جو دیوانے / آہ وہ نا تمام افسانے

کب وہ لوٹینگے پھر خدا جانے / منتظر ہیں اُداس کاشانے

اجنبی ہیں دیارِ دوست میں سب / کون ہم بیکسوں کو پہچانے

دور پہنچے بنامِ رسوائی / میری دیوانگی کے افسانے

جب چلے تھے دیارِ دوست سے ہم / دور تک آئے لوگ سمجھانے

ذکر آیا تری جفا کا جہاں / اُٹھ گئے اُس جگہ سے دیوانے

زندگی تھی تو انکے دم تک تھی / کیسے گذریگی اب خدا جانے

عازمِ شہرِ دوست ہو شفقت
اور جو کوئی وہاں نہ پہچانے

۱۵ ۹/۵۷

(۹۵)

لاکھ روکا اگرچہ دنیا نے
چل پڑے تیری راہ دیوانے

تیرے وحشی جہاں جہاں پہنچے
تا بہ حدِ نظر تھے ویرانے

تجھ کو بھولے تو اور یاد آئے
اپنے عہدِ وفا کے افسانے

تیری بے مہریوں کی بات غلط
اپنے غم سے ہمیں تھے بیگانے

ہم سے مل کر بچھڑ گیا کوئی
راس آئے نہ ہم کو یارانے

دل کی حالت نہ آج تک بدلی
بس گئے ورنہ کتنے ویرانے

آہ دنیا میں رہ کے بھی شفقت
ہم نہ دنیا کا رنگ پہچانے

۱۸ ۹/۵۷

(۹۶)

تعلق اب بھی اُن سے کم نہیں ہے
مگر پہلا سا وہ عالم نہیں ہے

ہمیں رونا ہے اپنی بیکسی کا،
تری بے مہریوں کا غم نہیں ہے

وفا اپنی بہت کچھ ہے مگر کیا
حریفِ رنجشِ پیہم نہیں ہے

زبانِ خلق پر ہے ذکر میرا
مرے مرنے کا کس کو غم نہیں ہے

غنیمت ہے مرا جامِ سفالیں
مجھے پروائے جامِ جم نہیں ہے

مرے غم کا اُسے احساس کیوں ہو
مرا ناصح مرا ہمدم نہیں ہے

تجھے دیکھے ہوئے اک عمر بیتی
مگر لطفِ تماشا کم نہیں ہے

بایں شانِ حیاداری بھی شفقت ہے
مری نظروں سے اُن کو رم نہیں ہے

۱۹ ۹/۵۷

(۹۷)

اُن سے جب جب نظر ملائی ہے
چوٹ دل پر ضرور کھائی ہے

واقعہ ہے کہ اپنے دل کی متاع
ہمنے کھوئی ہے تم نے پائی ہے

دل بھی خاموش ہے زباں کی طرح
بات کس مرحلے پہ آئی ہے

اب طبیعت کہیں نہیں لگتی
شوقِ ناکام کی دُہائی ہے

تجھ سے بگڑی تو یوں مقدر تھا
مجھ پہ کیوں طعنِ بیوفائی ہے

حسرتوں کے ہجوم میں دل میں
ہم نے بستی عجب بسائی ہے

دن کی اُمید اب کہاں مجھکو
میری دُنیا پہ رات چھائی ہے

نقدِ جاں بھی وہیں لٹا دینگے
دل کی دولت جہاں گنوائی ہے

ہم کو راہِ حیات میں شفقت
اعترافِ شکستہ پائی ہے

۲۰ ۹/۵۷

(۹۸)

داد رونے کی اور کیا دیتے — وہ بصد ناز مسکرا دیتے
ذکر کرتے جو ہم بہارِ دل کا — سلسلہ آپ سے ملا دیتے
تھا یہی تیری بے رخی کا جواب — ہم بھی دل سے تجھے بھلا دیتے
حرفِ غم سے جو روشناس نہ تھے — وہ مرے غم کی داد کیا دیتے

شرطِ اول تھی التجا شفقتؔ
وہ مقدر سے کچھ سوا دیتے

۲۷ ۹/۵۷

(۹۹)

جب کبھی غم سے طبیعت میری گھبرائی ہے
لے کے پیغامِ فراغت تیری یاد آئی ہے

اپنے بچھڑے ہوئے احباب کی یاد آئی ہے
کتنا آباد مرا گوشۂ تنہائی ہے

ہو چکے مجھ پہ جو دنیا کے ستم ہونے تھے
تو بھی اے موت بڑی دیر کے بعد آئی ہے

اپنی خواہش سے کب آئے ہیں ترے شہر میں ہم
اک کشش ہے جو ہمیں ساتھ لگا لائی ہے

یاس و اُمید کو فرصت کہ تمنّا اپنی
اِن مراحل سے بہت دور نکل آئی ہے

یاد آتا ہے مجھے یاد نہ کرنا تیرا
تجھ سے اتنا تو ابھی ربطِ شناسائی ہے

یاد اُس کوئے تمنّا کی بھُلا دیں کیونکر
ہم نے تسکین سی تسکین جہاں پائی ہے

دل کی دھڑکن میں ہے کچھ اور اضافہ شفقت
اُن کے آنے کی خبر ہم نے جو سُن پائی ہے

١٦ ١٠/٥٧

(۱۰۰)

اُن سے کب اپنی وفاؤں کا صلہ پایا ہے
میری قسمت نے ہمیشہ مجھے ترسایا ہے

دلِ بیتاب کو تسکین ملی ہے کیا کیا
یاد آنے کی طرح جب کوئی یاد آیا ہے

دیدہ و دل تری راہوں میں بچھے جاتے ہیں
کوئی شاید ترے آنے کی خبر لایا ہے

جادۂ شوق میں دو گام چلے تھے کہ ہمیں
اپنی محرومیٔ قسمت کا خیال آیا ہے

وہی کرتا ہے تغافل کا اعادہ اکثر
بارہا اپنے تغافل پہ جو شرمایا ہے

پھر تصور میں نہ آؤ تو عنایت ہو گی
شوق مشکل سے تمہیں آج بھلا پایا ہے

لے کے پہنچا ہے درِ دوست پہ شفقتؔ مجھ کو
جذبۂ شوق بالآخر مرے کام آیا ہے

۲۲ $\frac{10}{57}$

(۱۰۱)

جب کبھی ترکِ محبت کا خیال آیا ہے
مجھ کو تا دیر تری یاد نے تڑپایا ہے

تھا وہی لفظ خلاصہ مرے افسانے کا
تیرے آگے جو لبِ شوق نے دہرایا ہے

تجھ سے رکھنا ہی نہ تھا ربطِ محبت مجھ کو
ہوش آیا ہے مگر دیر کے بعد آیا ہے

کوئی دم کو جو کبھی ساتھ دیا تھا جس نے
آج بھی اپنے خیالوں پہ وہی چھایا ہے

آہ اُس عرضِ تمنا کا مقدر اے دوست
بارہا تُو نے جسے ناز سے ٹھکرایا ہے

اُن کے جاتے ہی مرے گھر کی وہ رونق نہ رہی
در و دیوار پہ حسرت کا سماں چھایا ہے

نہ زمانے کی شکایت نہ مقدر کا گلہ
ہم نے ہر حال میں شفقتؔ تجھے خوش پایا ہے

۲۲ ۱۰/۵۷

(۱۰۲)

مانوسِ فراغت دلِ ناکام نہیں ہے
شاید میری تقدیر میں آرام نہیں ہے

ثابت ہو مداوا جو مری کاہشِ غم کا،
اُس آنکھ میں ایسا کوئی پیغام نہیں ہے

بھولا ہے بہت شوق ترے ربطِ وفا پر
نادان کو اندیشۂ انجام نہیں ہے

ہر گام پہ کیوں مجھ سے اُلجھتا ہے زمانہ
جب مجھ کو زمانے سے کوئی کام نہیں ہے

مرغوبِ دل و جاں ہے ترا دردِ تمنا
وہ یوں کہ مجھے خواہشِ آرام نہیں ہے

پردیس میں جا کر وہ مجھے بھول گئے ہیں
مدت سے کوئی نامہ و پیغام نہیں ہے

آئی ہے وہ بات اپنے لبِ شوق پہ شفقت
جس بات کے آغاز کا انجام نہیں ہے

۲۳ ۱۰/۵۷

(۱۰۳)

جفائے دوست باندازۂ محبت تھی
ہمارے حال پہ اُن کی بڑی عنایت تھی

الگ یہ بات کہ ہم کچھ نہ کہہ سکے ورنہ
تری ادائے ستم درخورِ شکایت تھی

مرے خلوص کا بھی ذکر تھا ضرور وہاں
جہاں جہاں تری بیداد کی حکایت تھی

اُٹھی جو مجھ پہ بعنوانِ بے رُخی اکثرؔ
وہی نگاہ مرے شوق سے عبارت تھی

نہ جانے آپ کا منشا کیا تھا کیوں زمانے سے
وہ دل کہ آپ سے جس کو بڑی محبت تھی

ہم ایسی راہ پہ بھی چل کے تجھ کو ڈھونڈھ آئے
قدم قدم پہ جہاں صد ہزار آفت تھی

خوشا وہ اپنی محبت کی ناپذیرائی
تری نگاہ کو جس پر بڑی ندامت تھی

مرے خلوص کا جن کو نہ تھا کوئی احساس
مرا نصیب کہ اُن سے مجھے محبت تھی

خدا کرے کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
دیارِ دوست میں شفقت جو اپنی عزت تھی

۱۹ ۱۲/۵۷

(۱۰۴)

کیا شکایت تری جدائی کی — مجھ سے قسمت نے بے وفائی کی

دل قفس میں نہ کس طرح لگتا — کس کو اُمید تھی رہائی کی

کوئی دشمن ہوا کرے میرا — میں نے ہر ایک سے بھلائی کی

تیری یادوں میں تیری باتوں میں — خوب گذری ہے شب جدائی کی

بارہا مجھ کو بھول بھول گئے — بارہا تم نے بے وفائی کی

چل بسے تیرے نامرادِ وفا — تاب لائے نہ جگ ہنسائی کی

کوئی دن اور صبر کرنا تھا — بیت جاتی گھڑی جدائی کی

میری خاموشیاں بقیدِ قفس، — ایک تحریک تھیں رہائی کی

وہ جو بگڑے تو کھنچ گئی شفقت
ایک تصویر دلربائی کی

۱۲/۵۷ ۲۶

(۱۰۵)

لالہ و گل سے دل لگا نہ سکے
ہم فریبِ بہار کھا نہ سکے

کتنے شکوے تھے جو کسی کے حضور
خیر گذری کہ یاد آ نہ سکے

ہائے مجبوریاں مقدر کی
تجھ سے ملکر بھی تجھ کو پا نہ سکے

دن جو گذرے تھے انکے ساتھ کبھی
پھر مری زندگی میں آ نہ سکے

ایسے اُلجھے غمِ حیات میں ہم
زندگی بھر فراغ پا نہ سکے

دل میں وہ آگ تُو نے بھڑکا دی
جس کو اک دکھ بھی ہم بجھا نہ سکے

دل کو روکا تو آنکھ نے کہہ دی
غم کی بات ان سے ہم چھپا نہ سکے

تھے کچھ ایسے بھی حادثے شفقت
جن سے دامانِ دل بچا نہ سکے

۲۷ ۱۲/۵۷

(۱۰۶)

جیسی گذری سو ہم گذار چلے
ہر تمنائے دل کو مار چلے

جام و مینا سنبھال رکھ ساقی
تیری محفل سے بادہ خوار چلے

رخصت اے زندگی کے متوالو
ہم غمِ زندگی سے ہار چلے

یاد رکھیں گے ہم کو اہلِ چمن
ہم بھی کچھ دن یہاں گذار چلے

خلق نکلی ہے پیشوائی کو
جس طرف تیرے خاکسار چلے

غنچۂ دل میں وہ نمو نہ رہی
اب نسیم و صبا ہزار چلے

اے خوشا زندگی کا وہ حصّہ
جو تری یاد میں گزار چلے

۲۷ ۱۲/۵۷

رنگ پر اپنی داستاں آئی — جب تری بات درمیاں آئی
یادِ یارانِ مہرباں آئی — غمزدوں کو نویدِ جاں آئی
میں نے سونگھا چمن میں جس گل کو — مجھ کو خوشبوئے دوستاں آئی
زندگی تجھ سے واسطہ ہم کو — نامرادوں میں تو کہاں آئی
تھی کشاکش تو مرگ و زیست میں تھی — کیوں تری یاد درمیاں آئی

کاظمی اُن کے بعد یوں گذری
آہ لب پر کبھی فغاں آئی

$\frac{۱۲}{۵۷}$ ۲۸

(۱۰۸)

کیوں راہِ وفا سے ہٹ چلا ہے
اے دوست ابھی تو ابتدا ہے

گذرے گی الم کی رات کیونکر
ہمدم ہے کوئی نہ ہمنوا ہے

دُنیا سے اُٹھا ہے آب و دانہ
پیمانۂ عمر بھر چکا ہے

مدفن ہے ہزار حسرتوں کا
معمورۂ دل کی بات کیا ہے

دُنیا سے تھا جو گِلہ رفیقو
تم سے بھی مجھے وہی گلا ہے

سب اپنے کئے کے ہیں نتیجے
تقدیر کی اس میں کیا خطا ہے

تم ہو کہ بچھڑ بچھڑ گئے ہو
دل ہے کہ اُجڑ اُجڑ گیا ہے

شفقت بہ ہوائے سرفرازی
خاکِ رہِ دوست ہو چکا ہے

یہ کشش یہ ادا یہ رعنائی — تجھ کو زیبا ہے نازِ یکتائی
اُنکی یادیں بھی ساتھ چھوڑ گئیں — کیسے گزرے گی شامِ تنہائی
یوں ملے ہیں وہ بے نیازانہ — جیسے ہم سے نہ ہو شناسائی
آ گئیں یاد رنجشیں کتنی، — تجھ کو دیکھا تو آنکھ بھر آئی
اِس تغافل پہ بھی تجھے اے دوست — یاد کرتے ہیں تیرے سودائی
دیکھ پائے نہ ہم سحر جس کی — آہ وہ اپنی شامِ تنہائی
حُسن کا نام کیوں کریں بدنام — اپنی تقدیر میں تھی رسوائی

شکوۂ زندگی نہ کر شفقتؔ
زندگی کب کسی کو راس آئی

۲۹ ۱۲/۵۷

(۱۱۰)

بہارِ گل کی خبر جب کبھی سنی ہو گی
کسی کو یاد تمہاری بھی آ گئی ہو گی

نبائے سلسلۂ رسمِ دوستی ہو گی
وہ اک نظر جو باندازِ دلبری ہو گی

خفا خفا سی ہے کیوں چشمِ دلنوازِ تری
مرے خلوص میں شاید کوئی کمی ہو گی

زباں پہ حرفِ شکایت ضرور آئے گا
اگرچہ آپ سے مل کر ہمیں خوشی ہو گی

خبر بھی ہے کہ تری بزمِ ناز سے اُٹھ کر
کسی غریب پہ کیا کچھ گزر گئی ہوگی

تری نگاہ کے تیور بدل گئے ہوں گے
ترے حضور مری بات جب چلی ہوگی

دیارِ دوست میں پہنچیں گے اِس طرح شفقتؔ
جبیں پہ گردِ رہِ عاشقی جمی ہوگی

۱۲ ۲/۵۸

(۱۱۱)

کٹی تھی جن کے تصور میں شام تنہائی
سحر ہوئی تو سب مجھے پھر انہی کی یاد آئی

ترے کرم سے تھیں وابستہ جن کی اُمیدیں
نہ آئے یاد کسی دن تجھے وہ سودائی

شریکِ حال بجز بے کسی نہیں کوئی
مرے نصیب کی گردش مجھے کہاں لائی

حضورِ دوست رہی پھر بھی ناشنیدہ سی
وہ دل کی بات جو سو بار ہم نے دُہرائی

وہ تیرے قرب کی راہیں تلاش کیا کرتے
ازل سے جن کو مقدر تھا داغِ تنہائی

چھٹی ہے تجھ سے رہ و رسمِ شوق یوں اے دوست
کہ مدتوں سے تری یاد بھی نہیں آئی

غمِ حیات سے ہر چند فرصتیں نہ ملیں
مگر بھلا نہ سکے تجھ کو تیرے سودائی

رہِ حیات میں گھبرائے جب کبھی شفقت
ہزار بار تسلی کو ان کی یاد آئی

۱۱/۳/۵۸

(۱۱۲)

یوں وہ ہم سے تعلق بڑھاتے رہے
یاد کرتے رہے یاد آتے رہے

دن تری صحبتوں کے ترے بعد بھی
یاد آ آ کے مجھکو رُلاتے رہے

دل کی ہر بات افسانہ بنتی رہی
لوگ طوفان کیا کیا اُٹھاتے رہے

تیرے آنے کی جب جب کسی نے کہی
ہم بڑی دیر تک مسکراتے رہے

دل سے اُمید جینے کی مٹ مٹ گئی
ہم پہ کچھ دور ایسے بھی آتے رہے

یوں بھی مدِ نظر تھی خوشی آپ کی
ہم جو صدمے پہ صدمے اُٹھاتے رہے

بزمِ دوراں میں پُرسش اُنھی کی رہی
تیری محفل میں جو بار پاتے رہے

دُور رہ کر بھی وہ مجھ سے اے کاظمیؔ،
میرے خوابوں کی دُنیا بساتے رہے

۳/۵۸ ۳۱

(۱۱۳)

رنج سہتے رہے مسکراتے رہے
اپنی مجبوریاں ہم چھپاتے رہے

اپنی تقدیر، البتہ اُن سے رہی
ہم بہت جن سے دامن بچاتے رہے

کوئی پرسش کسی کی نہ تھی واں مگر
جانے والے بدستور جاتے رہے

قصۂ غم کی اللہ رے دلچسپیاں
کوئی سنتا رہا ہم سناتے رہے

ربط اُن سے بہر حال قائم رہا
لاکھ دشمن لگاتے بجھاتے رہے

کیا کہیں اپنے دل کے تقاضوں کو ہم
راہ تیری ہمیں جو دکھاتے رہے

یاد آتا رہا وہ ہمیں اور بھی
ہم بہت جی سے جسکو بھلاتے رہے

انتہا رشک کی ہو گئی کاظمی
ہم اُنہی کو اُنہی سے چھپاتے رہے

۳ ۴/۵۸

(۱۱۴)

جہاں جہاں مجھے تیرا خیال آیا ہے
قرارِ تام کی دولت بھی ساتھ لایا ہے

ترا جمال کہاں جلوۂ بہار کہاں
مری نگاہ نے کتنا فریب کھایا ہے

وفا کے نام پہ اب کانپ جاتا ہوں
ترے سلوک نے اتنا مجھے ڈرایا ہے

اب اور کوئی توقع نہیں رہی تجھ سے
مری وفا نے تجھے خوب آزمایا ہے

حریمِ دل پہ بٹھائے ہیں پاس نے پہرے
ترا خیال نہ جانے کدھر سے آیا ہے

یہی بہار امیں ہے ترے جمالوں کی
اسی بہار سے تیرا سراغ پایا ہے

نگاہِ شوق سے دیکھا تھا ہم نے کب لیکن
جمالِ یار پہ اب تک حجاب چھایا ہے

ہزار بار پڑا ہے تجھی سے کام ہمیں،
ہزار بار ترا نام لب پہ آیا ہے

نشاطِ روح کا ضامن بھی ہے یہی شفقت
وہ غم کہ جس نے مجھے عمر بھر رُلایا ہے

۳ ۸/۵۸

بھول جانے پر بھی یاد آیا کئے
ہم بہر صورت اُنہیں چاہا کئے

سب کو میری زندگی سے لاگ تھی
تم نے کتنے جشنِ فاقہ برپا کئے

سونے والا زیرِ مرقد سو گیا
رونے والے عمر بھر رویا کئے

دل میں لے کر حسرتِ دیدارِ دوست
بارہا اُس در سے ہم گذرا کئے

تیری منزل تک پہنچ پائے نہ ہم
راستے پر راستہ بدلا کئے

آنے والے آکے رخصت ہو چکے
ہم کو آغوشِ محبت وا کئے

کتنے سادہ تھے کہ اس ظالم کو ہم
خیر خواہِ دوستاں سمجھا کئے

بے نشانی تھا نشانِ کوئے دوست
ڈھونڈھنے والے عبث ڈھونڈھا کئے

جب بھی یاد آئیں کسی کی رنجشیں
کاظمی ہم دیر تک رویا کئے

۱۳/۱/۵۸

زندگی اور بھی ستائیگی، جب تری یاد بھول جائیگی
پھر نہ جاگیں گے جاگنے والے ایک ایسی بھی نیند آئیگی
تیرے غم کی گھڑی طویل سہی آخرِ کار بیت جائیگی
جب کبھی آپ یاد آئینگے عمرِ رفتہ بھی لوٹ آئیگی
چار و ناچار دیکھنا ہوگا ہم کو تقدیر جو دکھائیگی
پھر نہ پائیگی ایک بھی ہم سا ہم کو دنیا اگر مٹائیگی
موت کا انتظار کون کرے آنے والی ضرور آئیگی

منہ سے نکلی اگر کبھی شفقت
دور تک اپنی بات جائیگی

۶ ۵/۵۸

(۱۱۷)

مرجعِ اہلِ وفا تھے پہلے
تم بھی کیا نام خدا تھے پہلے

تھے وہ شاکی تو بجا تھے پہلے
ہم بھی کچھ اُن سے خفا تھے پہلے

اتنے مایوسِ وفا ہیں اب ہم
جتنے مانوسِ وفا تھے پہلے

جن سے قائم تھیں وفا کی رسمیں
ہائے وہ لوگ بھی کیا تھے پہلے

ہم کہ اب مہر بہ لب ہیں شفقتؔ
نالۂ غم کی صدا تھے پہلے

۲۶ ۱/۵۹

(۱۱۸)

راہ دشوار تھی مگر نہ ٹلے
ہم زمانے کے ساتھ ساتھ چلے

اپنے گھر میں وہی اندھیرا ہے
کیا خبر کس جگہ چراغ جلے

منزلِ یار دُور دُور رہی
چلنے والے بجادۂ شوق چلے

جن کو نسبت غمِ حبیب سے تھی
ہائے وہ دن بھی کس قدر تھے بھلے

بسکہ نازک ہے جادۂ غمِ دوست
راہرو کچھ سنبھل سنبھل کے چلے

کاظمی وہ ستم نصیب تھے ہم
زندگی بھر جو آفتوں میں پلے

۳/۵۹ ۲۸

خود ہی اُن سے بچھڑ کے پھر نہ ملے
ہم سے احباب کو بجا ہیں گلے

دیکھتا ہوں بغور پھولوں کو
شاید ان سے ترا سراغ ملے

بارہا ملتفت ہوا کوئی،
ہم کو پھر بھی رہے کسی سے گلے

آہ وہ اپنے دوستانِ قدیم
ایسے بچھڑے کہ پھر کہیں نہ ملے

سینکڑوں داغ سینکڑوں صدمے
اُس نے یوں بھی دیے وفا کے صلے

حق ترے شکر کا ادا کرتے
ہم کو لیکن وہ لفظ ہی نہ ملے

لب پہ آتے رہے دُعا بن کر
ہم کو یارو دل سے جس قدر تھے گلے

اپنے دل کی فسردگی نہ گئی
ورنہ گلشن میں کتنے پھول کھلے

دے گیا ہے جو داغِ تنہائی
جانے شفقت وہ پھر ملے نہ ملے

۲۸ ۳/۵۹

۱۲۰

یہی نہیں کہ وہ ہم کو بلا کے پچھتائے
حضورِ دوست میں خود ہم بھی جا کے پچھتائے

انہیں بھی اپنی طبیعت پہ اب نہیں قابو
وہ غمزدوں سے نگاہیں ملا کے پچھتائے

کوئی سکون کا پہلو نہ مل سکا یوں بھی،
ہم اُن کی یاد کو دل سے بھلا کے پچھتائے

ہزار بار پڑا واسطہ انہی سے ہمیں
ہزار بار جنہیں آزما کے پچھتائے

کوئی نہیں جو سنے بات ہم فقیروں کی
تری گلی میں ترے بعد آ کے پچھتائے

مجالِ ترکِ تعلق بھی کاظمی نہ ہوئی
اگرچہ اُن سے تعلق بڑھا کے پچھتائے

۱۰ $\frac{۴}{۵۹}$

(۱۲۱)

احباب مجھے دادِ وفا کیوں نہیں دیتے
آخر مری چاہت کا صِلہ کیوں نہیں دیتے

ثنا کی ہیں عبث آپ سے اربابِ محبت
خود اپنے مقدر کو دُعا کیوں نہیں دیتے

آ آ کے تصور میں ستاؤ گے کہاں تک
ہم خفتہ نصیبوں کو جگا کیوں نہیں دیتے

ہنستا ہوں کہ واقف ہیں مرے حال سے ہمدم
روتا ہوں کہ اُس در کا پتا کیوں نہیں دیتے

تا چند یہ بیگانگیٔ حسنِ مسلسل
اِس پردۂ حائل کو ہٹا کیوں نہیں دیتے

وہ درد کہ جس کا نہیں چارہ کوئی شفقت
اُس درد کا احساس مٹا کیوں نہیں دیتے

۱۲ ۴/۵۹

(۱۲۲)

پیشِ نظر مآلِ محبت ہے آج تک
اپنی وفا پہ ہم کو ندامت ہے آج تک

تیری جدائیوں کو زمانہ ہوا مگر
دل ہے کہ سر بہ زانوئے حسرت ہے آج تک

آتا ہے کوئی یاد پس از ترکِ شوق بھی
شاید مجھے کسی سے محبت ہے آج تک

اللہ رے یادِ یار کی عشرت نوازیاں
آلامِ روزگار سے فرصت ہے آج تک

مرتے ہیں زندگی کی ادا پر بھی ہم بہت
گو زندگی کے نام سے وحشت ہے آج تک

اُس بے وفا سے قطع تعلق نہ کر سکے
جس بیوفا سے ہم کو شکایت ہے آج تک

شفقتؔ کسی کی رنجش بیجا سے کیا کہوں
وہ بھی شریکِ گردشِ قسمت ہے آج تک

۱۵ ۴/۵۹

(۱۲۳)

آئی نہ ہم کو راس فراغت کی زندگی
دل ڈھونڈھتا ہے پھر وہ محبت کی زندگی

یوں تلخیٔ حیات گوارا رہی مجھے
جیسے نہ تھی نصیب میں راحت کی زندگی

ہر چند اپنا عہدِ فراغت بھی خوب تھا
لیکن عجیب تر تھی محبت کی زندگی

دُنیا کے رنج و غم کا مداوا ضرور تھا
ورنہ کسے قبول تھی راحت کی زندگی

شفقتؔ ملی نصیب سے وہ زندگی مجھے
جو زندگی تھی رنج و مصیبت کی زندگی

۱۵/۴/۴۹

(۱۲۴)

کب وہ بے داد کسی پر گذری
جو مری جان پہ اکثر گذری

ایک گذری ہے جو ہم پر اے دوست
مر مٹیں گے جو مکرر گذری

کسی تدبیر سے ٹالی نہ گئی
جو گذرنا تھی برابر گذری

کتنی جاں بخش تھی وہ بادِ نسیم
جو ترے شہر سے ہو کر گذری

کاظمی ہم کو خبر ہے اس کی
جو رہِ دوست میں ہم پر گذری

۲۵ ۴/۵۹

(۱۲۵)

جو بیادِ دوستاں گذری — کچھ وہی عمر شادماں گذری

آہ وہ طبعِ غم پسند اپنی — ہر مسرت جیسے گراں گذری

یاد رکھیں گے آسماں والے — مجھ پہ جو زیرِ آسماں گذری

کام آئی نہ احتیاط اپنی — جو گذرنی تھی بے گماں گذری

کاظمی تھی وہ بات کیا آخر
جو دلِ دوست پر گراں گذری

۱ ۵/۵۹

(۱۲۶)

یاد ہیں وہ مزے جوانی کے — ہائے کیا دن تھے زندگانی کے

جتنے دنیا میں حادثات ہوئے — سلسلے تھے مری کہانی کے

تجھ سے مل کر اٹھا لئے ہم نے — سب مزے عیشِ جاودانی کے

لاکھ چاہا مگر نہ ٹھیرے ہم — مستحق تیری مہربانی کے

رنگِ حرماں بھی اب ذرا نہیں — ہو چکے دور شادمانی کے

درسِ عبرت ہے زمانے کو — واقعات اپنی زندگانی کے

تھیں مقدر میں سختیاں شفقت
کیا گلے جورِ آسمانی کے

۱۰ ۵/۵۹

(۱۲۷)

دیتا رہا فریبِ وفا اس طرح کوئی
جیسے مجھے مآلِ وفا کی خبر نہ تھی

دراصل زندگی تھی محبت کی زندگی
یہ اور بات ہے کہ مجھے خوش نہ آسکی

اُمیدِ التفات میں عمریں گزر گئیں
ہم سے مگر وہی ہے تری بے تعلقی

جب تک نگاہِ دوست کی بے مہریاں رہیں
میرے لئے حرام تھی دنیا کی ہر خوشی،

ہر چند تیرے قرب کی دولت نہ پا سکے
لیکن ترے بغیر بھی اپنی گزر گئی

چھائی ہیں اور لالہ و گُل پر اُداسیاں
آئی ہے یوں بھی فصلِ بہاراں کبھی کبھی

تجھ سے بیاں کروں تو نہ آئے یقیں تجھے
جیسے ترے بغیر گزرتی ہے زندگی

شفقت بجز خلوص مرے پاس کچھ نہ تھا
مجھ سے نگاہِ دوست عبث بدگماں رہی

۱۱ ۵/۵۹

(۱۲۸)

چند کڑیاں مرے فسانے کی
بن گئیں داستاں زمانے کی

کر چکے ہم کسی کو یاد بہت،
اب تمنا ہے بھول جانے کی

کچھ نہ تھی وہ بہار ہو کہ خزاں
سرخیاں تھیں مرے فسانے کی

برق چمکی تھی آج دور کہیں
خیر ہو اپنے آشیانے کی

مجھ میں اُن میں جو سلسلہ نہیں
آہ وہ گردشیں زمانے کی

قصۂ غم کی انتہا شفقتؔ
ابتدا تھی مرے فسانے کی

۱۵ ۵/۵۹

تجھ سے منسوب رہا — میں بُرا تھا کہ بھلا
سُن فقیروں کی ذرا — کب سے دیتے ہیں صدا
یاد آئے ہو جہاں — منہ سے نکلی ہے دُعا
درخورِ لطف ہیں ہم — سرد مہری نہ دکھا
وہ جو پُرساں نہ ہوئے — میں بھی خاموش رہا
یاد آئی ہے تری — جب کوئی پھول کھِلا
تیری راہوں میں کوئی — مفت برباد ہوا
تیرے جلووں کی امیں — چاند تاروں کی ضیا
بے ارادہ بھی کوئی — بارہا تجھ سے ملا
تجھ سا بے درد کہیں — ہم نے دیکھا نہ سنا
وہ ہمیں بھول گئے — اب جفا ہے نہ وفا

تیری دُھن میں شفقت
شہر در شہر پھرا

۱۵ ۵/۵۹

(۱۳۰)

سب سے برہم رہی نگاہ تری
خوش نہ آئی کسی کو چاہ تری

کچھ وہی کامگارِ شوق رہے
نبھ گئی جن سے رسم و راہ تری

آہ وہ بدنصیب سودائی،
بھول بیٹھی جسے نگاہ تری

آہ اپنی ضرور پہنچے گی،
لاکھ اونچی ہو بارگاہ تری

مطمئن ہیں ترے فقیر بہت
جانے کیا کہہ گئی نگاہ تری

اتنی درماندہ حالیوں پہ بھی
کاظمی کج رہی کلاہ تری

۲۰ ۵/۵۹

(۱۳۱)

کتنے احباب کتنے ہمسائے
ہم کو تجھ سے بچھڑ کے یاد آئے

میں جو اُنکی جفا سے خوش نہ ہوا
وہ کبھی احسان کر کے پچھتائے

دشمنوں کی عنایتوں سے ہمیں
دوستوں کے سلوک یاد آئے

خوش رہیں وہ بہار کے جھونکے
بارہا جو تری خبر لائے

میرے غم کا جنہیں خیال رہا
کتنے ہمدرد تھے وہ ہمسائے

وہ بہاریں جو تیرے ساتھ گئیں
اُن بہاروں کی یاد کیوں آئے

دل میں کیا کچھ نہ تھا مگر شفقت
اُن سے اک لفظ بھی نہ کہہ پائے

۳ ۹/۵۹

کب آئیں گے لوٹ کر یگانے — یاروں نے بھلا دیئے ٹھکانے

محلوں میں رہا قیام تیرا — محروم رہے غریب خانے

اُٹھکر تیرے در سے جانے والے — لوٹ آئینگے پھر کسی بہانے

بھولا نہیں روٹھنا کسی کا، — ہر چند گذر گئے زمانے

راہوں کا غبار ہو گئے ہیں — جن کو نہ ملے ترے ٹھکانے

رہ کر تیرے قرب میں جو دیکھے — وہ خواب تھے کس قدر سہانے

آئی تیری وادیوں سے ہو کر — اتنا تو کرم کیا صبا نے

بعد اُنکے گذر گئی جو مجھ پر — وہ میرے سوا کوئی نہ جانے

چونکے ہیں کب اہل بزم شفقت
جب ختم پر آ گئے فسانے

۱۷ ۹/۵۹

لخت لخت

بارِ گردن ہے وہ سرِ مغرور   جو ترے آستاں پہ خم نہ ہوا

ہر حال تیری یاد سے وابستگی رہے
یوں اضطرابِ ہجر کا درماں بہم کریں

پروا نہیں زمانہ مطلب پرست کو
کب تک ہم اپنے غم کا فسانہ رقم کریں

ہم کو پھولوں کی آرزو تھی مگر   اپنی قسمت کہ خار پائے ہیں

کتنے منظر نگاہ سے گزرے   جب کبھی آپ یاد آئے ہیں

شامِ وصال تو ہی اسے زندگی دے جائے
آتا ہے ورنہ اُن پہ الزامِ بے وفائی

عشرتِ دل کی ہر طلب وجہِ ملال ہوگئی
تیرے بغیر زندگی مجھ کو وبال ہوگئی

تیری جفا کی سختیاں مایۂ شوق ہو چکیں
تیرے کرم کی آرزو خواب و خیال ہوگئی

غیر سے مل کے اب اِتنا بھی تجھے یاد نہیں
تھے کبھی ہم بھی ترے ناز اُٹھانے والے

فطرتِ حُسن کہاں شیوۂ اخلاص کہاں
کتنے سادہ ہیں تری آس لگانے والے

تجھ سے خواہش کوئی رکھیں گے نہ ہم آج کے بعد
ہم کو ڈھونڈھے گی تری چشمِ کرم آج کے بعد

اُڑا لاتی ہے اکثر نکہتِ گیسوے یار اب بھی
مشامِ جاں ہے ممنونِ ہوائے نوبہار اب بھی

نا آشنائے منزلِ الفت تھے ہم مگر
اے یادِ یار! تیرے سہارے چلے گئے

ہر جلوۂ جمال کہ آیا نظر کہیں
ہم دل کے آئینے میں اُتارے چلے گئے

اُنکو جب تک مرا خیال رہا		باغِ اُمید پر بہار رہی

ہم زمانے کا ساتھ دے نہ سکے		زندگی وقفِ یادِ یار رہی

شوقِ حبیب تک بڑھنے کا رہا   خاطرِ یار بے قرار رہی

مایۂ زندگی لُٹا بیٹھے   دل سے یاد آپ کی بُھلا بیٹھے

وہ مداوائے دردِ دل نہ کریں   ہم نے کچھ اور جی میں ٹھانی ہے

میں کہاں اور لطفِ دوست کہاں   سب نصیبوں کی مہربانی ہے

ہنس دیئے گاہ رو لیے شفقتؔ   اب یہی اپنی زندگانی ہے

جی ترکِ وفا پر بھی سکوں یاب نہیں ہے
اب تک ہے وہی خاطرِ ناشاد کا عالم

دیکھے ہیں بہت عیش کے ایام بھی لیکن
منظورِ تمنا ہے تری یاد کا عالم

طلب اُن کی بشرطِ استواری کیجئے کیونکر
جب اُن سے رشتۂ مہر و وفا محکم نہیں ہوتا

ہزاروں دورِ خوشحالی کے ساتھی ہم نے دیکھے ہیں
مگر اے کاظمی کوئی شریکِ غم نہیں ہوتا

افسانۂ پارینہ ہوئی موت ہماری
برہم ہے تری زُلفِ سیہ فام ابھی تک

تری نگاہ نے کی مفت پرسشِ احوال
ہم اس قدر غمِ ہجراں سے بے قرار نہ تھے

چل بھی دیئے وہ چھوڑ کے مجھ کو بحالِ زار
حالانکہ ابتدا تھی ابھی رسم و راہ کی

کچھ عجب چیز تھی اُس حُسنِ دل آرا کی ادا
دل میں جو بیٹھ گئی نقشِ تمنا ہو کر

مجھے مٹائے کہاں آسماں کو یارا ہے
سمجھ رہا ہوں کہ اس میں ترا اشارا ہے

اُسی غریب کو تجھ سے بڑی اُمیدیں تھیں
تری نظر نے جسے بے قصور مارا ہے

زمانے کا فسانہ کہتے کہتے زمانے میں فسانہ ہو گئے ہم

جہاں تک ہو سکا اے شوقِ رسوا تری ناکامیوں کو رو گئے ہم

دل یار ستو رہے گا بیتاب بھول جائیں کہ تجھے یاد کریں

بہر صورت رہی کافی ترے دیدار کی حسرت
خدا شاہد ہے جو دیکھا ہو تری جانب کبھی میں نے
زمیں چکر میں آئی آسماں تھرا گیا شفقت
محبت میں کچھ ایسی بیکسی سے جان دی میں نے

طعن سنتا ہوں اک زمانے کے
یہ نتیجے ہیں دل لگانے کے
آہ اُس طائرِ قفس کا نصیب
خواب دیکھے جو آشیانے کے

سُننے والا خود بخود مطلب سمجھتا جائے گا
کہنے والا اپنے غم کا حال کہتا جائے ہے
گامزن ہوں جس قدر میں گرمِ رفتاری کے ساتھ
فاصلہ اُس راہ کا اتنا ہی بڑھتا جائے ہے

حائل نہ تھیں جو راہ میں قسمت کی گردشیں
کیوں تا بہ کوئے دوست رسائی نہ ہو سکی

دل بھی تھا اک مقام ترا اے اُمیدِ وصل
اِس گھر میں تیری جلوہ نمائی نہ ہو سکی

شکرِ غم کو بھی جو گلا سمجھے
ایسے بیدرد سے خدا سمجھے
کہنے والا تو کہہ گیا سب کچھ
آپ کہیے کہ آپ کیا سمجھے

دنیا کے حال و قال سے کیا ہم کو واسطہ
ہم اپنے واقعات کی صورت گری کریں

چپ کھڑے ہیں حضورِ دوست ہیں ہم
اتنی ہمت کہاں کہ لب کھولیں

کیا بُرا ہے اگر کبھی شفقتؔ
عیشِ ماضی کی یاد میں رو لیں

دنیا کو رازدار بناتا نہیں کبھی
میں حالِ دل زبان پہ لاتا نہیں کبھی

حق ہیں مری وفا کے بھی اُس بے نیاز پر
یہ اور بات ہے کہ جتاتا نہیں کبھی

تمام یکساں ہی راس ہیں مجھ کو ترے بغیر
میں گھر میں اب چراغ جلاتا نہیں کبھی

ہم اپنے ذوقِ محبت سے شرمسار نہ ہوں
خدا کرے کہ تری چاہ سازگار آئے
بغیر خاک اب اپنی گرہ میں خاک نہیں،
جو پاس تھا وہ رہِ عاشقی میں ہار آئے

وہ بھی دنیا کو منہ دکھا نہ سکا　　اپنے در سے ہمیں جُدا کر کے

جتنی مدت اُن سے یارانہ رہا　　ہر جگہ میرا ہی افسانہ رہا

لاکھ سمجھاتی رہی دُنیا مگر — شوقِ دیوانہ تھا دیوانہ رہا

تیرے دم تک ہے زندگی اپنی — تجھ سے قسمت ہمیں جُدا نہ کرے

تیری بے مہریوں کی حد نہ رہی — کوئی کب تک ترا گلہ نہ کرے

کچھ ٹھکانا ہے اِس نوازش کا — بے نیازی ہے اور پیہم ہے

خاک اُڑتی ہے خانۂ دل میں — جب سے اے یادِ یار تُو نہ رہی

فکرِ دنیا میں جی لگا بیٹھے — تیرے احسان ہم بھُلا بیٹھے

ترے کرم کا سہارا تھا جن غریبوں کو
وہی شکارِ ستم ہائے روزگار رہے

جوابِ رنجشِ بیجا کسی کو کیا دیتے
ہم اپنی عرضِ تمنا پہ شرمسار رہے

کچھ نہ پایا ترے در سے لیکن یہ الگ بات کہ ہم شاد گئے

بعنوانِ مہر و وفا یاد آئی نئے ڈھب سے انکی جفا یاد آئی
تری بے رخی کی ادا یاد آئی جفائے محبت نما یاد آئی
مری التجائے محبت پہ اُن کو
ستم یاد آیا جفا یاد آئی

دل مائلِ فریاد و فغاں ہو نہیں سکتا
خوش ہو کہ ترا راز عیاں ہو نہیں سکتا
اُٹھا ہوں تری بزم سے محرومِ تمنا
یہ خاطرِ دشمن پہ گراں ہو نہیں سکتا

بصد ادائے کرم یاد یار آئی ہے
مرے چمن میں ہوائے بہار آئی ہے

بے سبب دنیا جو تھی مجھ سے گریزاں کاظمی
رفتہ رفتہ مجھ کو بھی دنیا سے وحشت ہو گئی

شفقت کاظمی صاحب مولانا حسرت موہانی کے شاگرد اور اُن کے انداز سخن کے پیرو ہیں - یہی بات اُن کے مذاق سلیم ، سخن فہمی اور سخن سنجی کی ایک دلیل بن سکتی تھی - لیکن شاعر کا کلام اس کی سب سے بڑی دلیل ہوتا ہے - یہ شخصی وجاہت ، ذاتی اثر و اقتدار عصبیت ، بے جا طرف داری کسی کا بھی شکار نہیں ہوتا - اور اگر اس میں زندہ رہنے اور نئی روایات کو جنم دینے کی صلاحیت ہوتی ہے تو وہ ضرور زندہ رہتا اور ادب میں نقش دوام بن جاتا ہے - شفقت صاحب کا یہ مجموعۂ کلام اُردو غزل کی اس زندہ و توانا روایت کی ایک کڑی ہے -

(ڈاکٹر) ابواللیث صدیقی

طباعت سرورق ، نوروز پریس لاہور